امام ابوحنیفہ شیعہ تھے

تاریخی انکشاف

از

سید محمد مرتضیٰ نقوی اجتہادی

(ضیاء پریس آرام باغ کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

منافرت کے نقصانات

فرقہ وارانہ منافرت وہ دل کی تاریکی، تنگ نظری، کوتاہی اور فہم کی کجی ہے جو حقیقت کو سمجھنے سے روک دیتی ہے۔ محبت اور نفع رسانی کے جذبے سے دل کو خالی کرکے اس میں آگ بھر دیتی ہے۔ حُسنِ اخلاق کی حدوں سے باہر ڈھکیل دیتی ہے۔ دوسروں کو اپنی ہمدردی اور نفع رسانی سے باز رکھتی ہے۔ دلوں سے عزت اور محبت نکال کے نفرت وحقارت بٹھا دیتی ہے۔ یہ ہے اس کا دنیا میں نقصان اور آخرت میں بھی حُسنِ اخلاق سے عاری انسان کے لئے کچھ نہیں اس سے بڑھ کے عقلی بے مائیگی اور کیا ہوگی۔ مثل مشہور ہے "عیسیٰ بدینِ خود موسیٰ بدینِ خود" ایک کے عقیدے اور عمل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" اپنی اپنی گور اپنی اپنی منزل پھر عقیدے کے سے ایک کو دوسرے سے نفرت کیوں؟

اسلام تو ایسا مذہب ہے جس نے کفار سے بھی حسنِ خلق سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔

لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین، ولم یخرجوکم فی الدیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔

جن لوگوں نے دین کے لئے تم سے جنگ نہیں کی اور تم کو گھر سے نہیں نکالا اللہ ان سے بھلائی کرنے کو منع نہیں کرتا ان سے بھلائی سے پیش آؤ اللہ عدل کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

بھلائی اسی وقت ہو سکتی ہے جب دل نفرت سے پاک ہو۔

جس مذہب کا دوسروں کے ساتھ یہ حکم ہو اس میں آپس میں نفرت کی گنجائش کہاں جن کا خدا ایک رسول ایک کتاب ایک۔

منافرت کی وجہ اصل یہ ہے کچھ لوگوں کا ذاتی مفاد فتنہ وفساد سے وابستہ ہوتا ہے وہ جھوٹا پروپیگنڈا کر کے منافرت پھیلاتے ہیں لیکن صاحبان عقل و ہوش نے ہمیشہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی ضرورت محسوس کی ابھی چند سال ہوئے شیخ محمود شلتوت (شیخ الجامعہ ازہر) نے اثنا عشریہ اور زیدیہ کو حنفیہ مالکیہ شافعیہ حنبلیہ کے برابر درجہ دیا اور انکی فقہ کی تعلیم جامعہ ازہر میں جاری کی اس اقدام کی بعض لوگوں نے مخالفت کی انکے جواب میں شیخ محمد المدنی رکن دار التقریب بین المذاہب الاسلامیہ نے جو جامعہ ازہر کے اساتذہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور رسالہ الاسلام کے چیف ایڈیٹر ہیں ایک محققانہ مضمون سپرد قلم کیا جو رجعت البعث کے عنوان سے سال یازدہم [illegible] میں شائع ہوا اس میں موصوف نے فقہ اثنا عشریہ اور زیدیہ کی تعلیم کو ضروری قرار دینے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔

"بعض لوگ یہ کہتے ہیں شیعوں کی فقہ کو ازہر میں کیسے داخل کیا گیا جبکہ یہ مذہب وہ ہے جس کے طرفداروں کا عقیدہ ہے کہ جبرئیل کو خدا کا حکم تھا کہ علی کو رسالت پر مبعوث کریں لیکن ان کو شک ہو گیا اور محمد پر نازل ہوئے اور جن کا عقیدہ ہے کہ خدا کا ایک جزو علی میں حلول کئے ہوئے ہے۔

"ان لوگوں کے جواب میں ہم کہا جائے گا کہ کلمۂ شیعہ کا اطلاق حق و باطل دونوں پر ہے اور سب کی نسبت ایمان کی طرف ہے بعض انہیں گمراہ اور اسلام سے منحرف اور بعض ایسے ہیں جن کا ایمان ایسا ہے جیسا ایمان کا حق ہے اور اس نظر سے اہل سنت سے

مذاہب کے مانند ہیں اگرچہ بعض فروع فقہ اور نظریات و مسائل اور عقائد میں اختلاف رکھتے ہیں "

وہ گروہ جو نام کو شیعہ ہے اور اصول اسلام سے منحرف اور گمراہ ہے خوش قسمتی سے نابود ہو چکا ہے اور اسلامی دنیا میں ان کا کوئی اثر باقی نہیں ہے اور اگر بالفرض ان کے کچھ افراد کسی غار یا کسی گوشے میں چھپے ہوئے ہوں تو وہ ہم سے نہیں اور نہ ہم ان سے ہیں وہ کافر ہیں اور اسلام سے خارج ہیں سُنی شیعہ دونوں ان پر لعنت کرتے ہیں لیکن وہ شیعہ جن کی فقہ جامعہ ازہر میں پڑھائی جاتی ہے وہ یہی دو گروہ ہیں اثنا عشریہ اور زیدیہ۔

حقیقت یہ ہے کہ سُنی اور شیعہ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے جو اختلاف ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا خود اہل سنت کے فرقوں میں آپس میں ہے یا فقہائے شیعہ بعض مسائل میں ایک دوسرے سے مختلف رائے رکھتے ہیں اور وہ قابل اعتراض نہیں کیونکہ سب کا مستمسک قرآن و حدیث ہے اور کسی ایک کی رائے پر عمل بری الذمہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

قرون ثلاثہ[1] میں شیعہ سنی عقائد موجود ہوتے ہوئے آپس میں کوئی منافرت نہ تھی، بیشک سیاسی اختلاف کی بنا پر شیعیان علی اور شیعیان عثمان ضرور تھے لیکن شیعیان علی میں عمر و ابوبکر کو خلیفہ ماننے والے بھی تھے اور نہ ماننے والے بھی اور دونوں آپس میں شیر و شکر تھے۔

بانیان مذہب شیعہ

بانیان مذہب شیعہ اہل سنت کے ہاں مقتدا اور پیشوا ہیں جنہیں تمام اہل سنت آج تک محترم سمجھتے اور انکی [illegible] کرتے رہے ہیں

[1] قرن اول صحابہ کا زمانہ قرن ثانی تبع صحابہ [illegible] قرن ثالث تبع تابعین کا زمانہ ہے

پھر رکھتے ہیں مصر کے مشہور محقق علامہ احمد امین لکھتے ہیں :-

شیعیت کا پہلا بیج تو اس جماعت نے بو دیا تھا جس کا رسول صلعم کے بعد یہ خیال تھا کہ اہل بیت رسول آپ کی جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں اور اہل بیت میں مقدم ترین ہستیاں حضرت عباس اور حضرت علی کی ہیں اور ان دونوں میں سے بھی حضرت علی زیادہ حقدار ہیں حضرت عباس نے خود بھی حضرت علی کے استحقاق خلافت میں کوئی مقابلہ نہیں کیا. فجر الاسلام

آگے چل کے انھوں نے اس جماعت کے افراد کے نام بھی بتا دیئے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

صحابہ میں کچھ لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت علی ابوبکر و عمر وغیرہ سے افضل ہیں اس قسم کی رائے حضرت عمار، ابو ذر، سلمان فارسی جابر بن عبداللہ، عباس اور ان کی اولاد ابی بن کعب حذیفہ اور دیگر صحابہ کی تھی. فجر الاسلام

یہ صحابہ جنھوں نے بقول علامہ احمد امین شیعیت کا سنگ بنیاد رکھا ان سے تمام اہل سنت اخذ حدیث کرتے ہیں اور ان کو ثقہ سمجھتے ہیں ان کا احترام کرتے ہیں اور ان سے عقیدت رکھتے ہیں اور کسی طرح کا تنفر جائز نہیں سمجھتے شیعیت کا یہی سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے آج بھی شیعہ اتنا ہی کہتے ہیں جتنا ان اولین شیعہ نے اور خود علی نے اپنے بارے میں کہا تھا یعنی وہ خلافت کے احق ہیں یہی بات دوسرا کہے تو اس سے نفرت کیوں ؟ یہ تنفر اس زمانہ میں پیدا ہوا ہے پہلے نہ تھا کیونکہ خود اہل سنت کے نزدیک حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت پر کوئی نص نہیں لہٰذا اسے نہ کرنا نہ معصیت ہے نہ گمراہی۔

خلفائے ثلاثہ کی جو حیثیت سنیوں کے نزدیک ہے بالکل وہی شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی

۱ - وہ معصوم نہیں تھے خطا و معصیت کا صدور ان سے ممکن ہے ان خلفاء نے خود بھی کبھی اس کے خلاف دعویٰ نہیں کیا۔

حضرت ابو بکر نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں صاف اقرار کیا کہ میں تم لوگوں سے افضل نہیں ہوں اگر مجھے ٹیڑھا دیکھو تو سیدھا کر دو۔

۲ - ان کے اقوال کو رد کیا جا سکتا ہے۔

امام شافعی نے حضرت عمر کے بہت سے فتوے یہ کہہ کر رد کر دیئے کہ انھوں نے تشریع کی اور اس کا انھیں حق نہیں تھا۔ الفاروق

علمائے احناف میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے اس فتوے کو کہ جنب تیمم نہیں کر سکتا جب تک اس کو پانی نہ ملے وہ جنب رہے گا کسی نے نہیں مانا۔

مس ذکر اور گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جانے کے فتوے کو بھی کسی نے تسلیم نہیں کیا ازالۃ الخفا

۳ - خلفائے ثلاثہ سے محبت، عقیدت، احترام اور ان کی خلافت پر کوئی نص نہیں ہے لہٰذا یہ دین کا کوئی جزو نہیں ہے جسے ماننا واجب ہو۔

۴ - خلفائے ثلاثہ اور دیگر صحابہ نے ناپسندیدہ کام بھی کئے ہیں جن سے کوئی مسلمان اپنی پسندیدگی کا اظہار نہیں کر سکتا کیونکہ پسندیدگی اس فعل میں شرکت کے مرادف ہے لہٰذا اس سے براءت و بیزاری ہر مسلمان کا فرض ہے مثلاً حسان بن ثابت اور ان کے ساتھ جن صحابہ نے جس وجہ نے آنحضرتؐ کی حرم محترمہ عائشہ پر ایک ایسے فعل کی تہمت رکھی جس کا ذکر کسی مسلمان کی زبان سے نہیں

ہو سکتا اور اس سے رسول کو سخت اذیت ہوئی یقیناً ہر مسلمان ان کے اس فعل سے اپنی براءت و بیزاری جزو ایمان سمجھے گا قرآن نے ایسے شخص کو خارج از ایمان کیا ہے اسی بناپر شیعہ ان ازواج رسول کو بھی خارج از ایمان سمجھتے ہیں جنھوں نے حضرت ماریہ قبطیہ پر ایسی ہی تہمت لگائی اور حضرت ابراہیم فرزند رسول کے بارے میں ایسی بات کہی جس کے خیال سے روح ایمانی کانپ جاتی ہے اور خدا نے حضرت ماریہ قبطیہ کی براءت قرآن میں کی یا جن ازواج سے رسول نے ترک تکلم کیا طلاق دینے کا ارادہ کیا اور خدا نے قرآن میں ان کی مذمت کی کہ ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں شیعہ ازواج رسول میں سے ان کو بھی خارج از ایمان سمجھتے ہیں جنھوں نے حضرت عثمان کو نعثل یہودی دین سے خارج اور واجب القتل کہا

صلح حدیبیہ میں حضرت عمر نے رسول خدا سے جس لہجہ اور زبان میں گفتگو کی کون مسلمان اسے پسند کر سکتا ہے جبکہ خود انھیں ندامت ہوئی اور اس کا کفارہ ادا کیا۔

بنت الرسول کے دروازے پر لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا دینے کی دھمکی دینے کو مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا ہے؟ چنانچہ اس واقعہ پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں :۔

حضرت عمر کی تیزی طبع سے یہ حرکت بعید نہیں الفاروق

کسی فعل کو حرکت سے تعبیر کرنے میں اپنی براءت و بیزاری مضمر ہوتی ہے اور کسی کے قول و فعل سے ناپسندیدگی یا براءت و بیزاری ایک قلبی کیفیت ہے جس پر انسان مجبور ہے جس سے روکا نہیں جا سکتا۔ یہ ہر شخص کا فطری حق ہے اس کا اظہار مستحسن اور اخفاء اخلاقی کمزوری اور منافقت ہے یہ نہ گمراہی ہے نہ اصول اسلام سے انحراف۔

اب وہ کون سی بات ہے جو خلفائے ثلاثہ کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں

اور سنی نہیں کہتے اور یہ کہ شیعہ گالیاں دیتے ہیں یہ پروپگنڈا باہمی منافرت پیدا کرنے کی غرض سے مفسد افراد کی طرف سے کیا جاتا ہے جس کی کوئی اصل نہیں گالیاں دینا غیر شریفانہ فعل ہے جس کی اجازت کوئی مذہب نہیں دے سکتا۔ شیعوں کی سب سے معتبر کتاب کافی میں یہ حدیث موجود ہے کہ سباب بوئے جنت نہیں سونگھے گا۔ علمائے شیعہ متفق ہیں کہ گالیاں بکنے والا جہنمی ہے اہل بیت رسول کی تعلیمات پر چلنے کا مدعی گالیاں بکنے کے جواز کا قائل نہیں ہو سکتا لہذا سنیوں اور شیعوں میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جو منافرت کا سبب بن سکے محض فتنہ وفساد پیدا کرنے کی غرض سے خلفاء ثلاثہ کے بارے میں مفسدوں نے عوام اہل سنت کو ذکی الحس بنا دیا ہے۔ خلافت کوئی ایسا شرف نہیں ہے جو عقیدت واحترام کو واجب کردے ورنہ خلفائے بنی امیہ وبنی عباس کو اس شرف سے محروم نہ کیا جاتا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ منصب خدا کی طرف سے نہیں ہے جو موجب شرف ہو نہ بندوں کی طرف سے ہے جو کسی کے استحقاق وشرف کی بنا پر اس کے سپرد کیا جاتا ہو بلکہ جو شخص بھی جس طرح خلافت حاصل کرلے وہ خلیفہ ہے اور وہی حصول خلافت کا اصول ہے

حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق حضرت عمر سے زیادہ کس کی رائے معتبر ومستند ہو سکتی ہے۔ انھوں نے مجمع عام میں ان کی خلافت کی یہ نوعیت بیان کی ہے "حضرت ابوبکر کی خلافت بے سوچے سمجھے اچانک وقوع میں آئی اب اس طریقہ کو جو دہرائے گا اس کا سر قلم کردیا جائے گا"

تاریخ کی تمام کتابوں میں ان کا یہ قول موجود ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت ان کی خلافت سے ناراض تھی۔

علی بن ابی طالب کہتے تھے کہ میں خلافت کے لیے احق ہوں عباس

بن عبد المطلب زبیر بن العوام بنی ہاشم اور اصحاب صفہ ان کے موید تھے انصار میں سعد بن عبادہ خود مدعی خلافت تھے حباب بن منذر اور ان کے قبیلے کو ان کی تائید حاصل تھی یہ حالت مدینہ کی تھی اور باہر عبس و ذبیان غطفان وفزارہ اور بنی یربوع کے قبائل نے خلیفہ ماننے اور زکواۃ دینے سے انکار کر دیا ۔ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ وہ کہتے تھے :۔

ہمیں یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ انصار و مہاجرین کی طرح ہم بھی اپنے میں سے کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیں جو ہمارے لئے جانشین رسول کے طور پر ہو ۔ ابو بکر یا ان کے سوا کسی اور کی اطاعت سے متعلق نہ دین میں کوئی نص موجود ہے نہ کتاب اللہ سے اس کا پتہ چلتا ہے ابو بکر صدیق اکبر ص۱۴۲

بقول محمد حسین ہیکل :۔

" بغاوت کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا " ابو بکر صدیق اکبر ص۱۴۱

انھوں نے بارہ لشکر مرتب کر کے چاروں طرف یلغار بھیجی اور پورا ملک مسخر کر کے اپنی حکومت قائم کی اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے گفتگو یہ ہے کہ ان کی بیعت بے سوچے سمجھے اچانک چند آدمیوں نے کر لی تھی اس سے سب ناراض تھے اسی لئے عقائد کی کتابوں میں علمائے اہلسنت نے لکھا ہے کہ خلافت کے لئے چند آدمیوں کا اجماع بھی صحیح ہے ورنہ ابو بکر کی خلافت باطل ہو جائے گی ۔

حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کر کے مسلمانوں کو حق انتخاب سے محروم کر دیا اور جمہوریت کی گردن مروڑ دی بات تھی حضرت عثمان تمام صحابہ

اس فعل سے ناراض تھے اور اکثر نے حضرت ابوبکر سے مل کے اس منصب کے لئے حضرت عمر کی نامزدگی کا خیال ظاہر بھی کیا لیکن حضرت ابوبکر نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔

حضرت عمر نے تمام مسلمانوں کا حق انتخاب چھ آدمیوں کے سپرد کر دیا حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے لیکن جو لوگ خلیفہ نہیں ہوئے وہ شرف و منزلت میں منتخب خلیفہ سے کسی طرح کم نہ تھے۔

معلوم ہوا کہ خلافت موجب شرف نہیں۔

رہی صحابیت وہ بھی کوئی ایسا شرف نہیں جس کے بعد انسان واجب الاحترام ہو جائے۔ صحابہ میں اچھے بھی تھے اور برے بھی ایسے بھی تھے جن پر رسول نے لعنت کی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں:۔

صحابہ میں ایسے بھی تھے جن سے شراب خواری ثابت ہے اور آنحضرت نے ان پر حد جاری کی۔ حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ سے دشنام صادر ہوا اور ان پر حد جاری ہوئی ماعز سلمی سے زنا صادر ہوا اسے رجم کیا گیا۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:۔

جو نزاعیں صحابہ میں واقع ہوئیں اور کتب میں موجود اور ثقات کی زبانی مذکور ہیں اس کی دلیل ہیں کہ صحابہ طریق حق سے گذر کر حد فسق کو پہنچ گئے تھے،،

ہندوستان کے مشہور زمانہ مصنف اور وسیع النظر عالم علی بہادر صاحب حنفی، ایڈیٹر دور جدید دہلی اپنی کتاب معاویہ و یزید میں لکھتے ہیں:۔

یہ بات تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ ہر وہ انسان جس پر صحابی

کی تعریف صادق آتی ہے صداقت مجسم تھا اور اسلام کا کامل نمونہ پیش کرتا تھا۔ یہ نتیجہ صرف منطقی استدلال سے نہیں نکلتا بلکہ قرآن وحدیث اس کی تائید میں پیش کیے جا سکتے ہیں قرآن نے صحابہ کی غلطیوں پر ٹوکا ہے اور حدیث کی کتابوں میں تو ایسی مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ میں سے بعض نے بھیانک گناہوں کا ارتکاب کیا ہے

علاوہ اس کے منافقین بھی تو صحابہ میں شامل تھے

ذیل کی احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ متعدد صحابہ دوزخی تھے یہ احادیث لفظ بلفظ صحیح بخاری کی کتاب الحوض سے پیش کی جا رہی ہیں

خوش عقیدہ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ ہر صحابی یا صحابہ گناہوں یا کم از کم گناہ کبیرہ سے پاک تھے اور ان میں سے کسی پر نکتہ چینی کی گنجائش نہیں اس غلط عقیدے کی تائید میں حدیثیں گھڑ گھڑ کر معاملہ کو اور بھی خراب کر دیا ہے مثلاً ایک حدیث گھڑی گئی ہے کہ صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے

"اس حدیث کو ماہرین حدیث نے موضوعات میں شمار کیا ہے یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کسی صحابی کی بھی اقتدا کرلو تو ہی ہدایت ہے

اس شرح وبسط کی ضرورت اس عام عقیدہ کو توڑنے کے لئے پڑ رہی ہے کہ صحابی کے خلاف نہ کچھ سوچنا جائز ہے نہ کچھ کہنا مناسب ہے

صحابہ میں ایسے بھی تھے جو متعدد احادیث کی رو سے دوزخی تھے
اور اس لئے تھے کہ انھوں نے رسول صلعم کے بعد اسلامی
تعلیمات سے انحراف کیا تھا   معاویہ و یزید صفحہ ۳۰
اسی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں :-
" رسول صلعم نے بعض ایسے لوگوں پر لعنت کی ہے جن کا خاتمہ
اسلام پر ہوا مثلاً سہیل بن عمرو، عمرو بن العاص، ابوالاعور
سلمی، حکم بن العاص اور مروان "
لہٰذا صحابہ کے متعلق ہم تاریخ کی روشنی میں رائے قائم کرنے کے پورے
طور پر مجاز ہیں جس پر کسی کو برا ماننے یا اپنی رائے کا پابند بنانے کا حق نہیں
ابوالکلام آزاد کو بہت سے مسلمان اچھا سمجھتے ہیں بہت سے برا
حسین احمد مدنی کے بہت سے مسلمان مرید تھے مگر علامہ اقبال کہتے ہیں
کہ " وہ رموز دین سے ناآشنا تھے " یہی لوگ مع اقبال کے اور ہم آپ
بلکہ صدر پاکستان اور اب اسلام لانے کے بعد بھوپٹ ڈاکو اگر رسول کے
زمانے میں ہوتے یا رسول خدا اس زمانے میں مبعوث ہوتے تو ہم سب
صحابی ہو سکتے تھے لیکن اس سے ہم سب رہتے وہی جو اب ہیں۔ صحابیت
سے سب برابر نہ ہو جاتے۔ اسے یوں سمجھیے کہ آج روضۂ نبوی کی زیارت
کرنے والے اور حرم کعبہ کا حج کرنے والے حاجی صاحب ہو جاتے ہیں لیکن
حاجی شبو وہی بٹے والے اور حاجی شہاب الدین وزیر داخلہ اور حاجی
مودودی امیر جماعت اسلامی حج و زیارت سے برابر نہیں ہو سکتے اسلام میں
علم و عمل موجب احترام ہے وہ نہ ابوسفیان بھی اصحاب رسول میں سے تھے
اور عبداللہ بن ابی سردار منافقین بھی۔

اگر کسی کی شخصیت میں اختلاف رائے ہو تو یہ فتنہ و فساد اور منافرت کا باعث نہ بننا چاہیے حضرات اہل سنت چھٹی صدی ہجری تک اس معاملہ میں نہایت وسیع القلب رہے ہیں وہ اکابر شیعہ سے برابر احادیث و شریعت کرتے تھے۔ ابان بن تغلب، ابو حمزہ ثمالی، ابراہیم نخعی، حماد، علقمہ، علم بن شیبہ، حمران بن اعین، سلمہ بن کہیل، سلیمان بن مہران، ضعصع بن عجلان میمون قداح، عدی بن ثابت، منصور بن المعتمر، منہال وغیرہ مبلغین مذہب شیعہ بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ کے راوی ہیں۔

امام ابو حنیفہ کو اہل سنت کی ایک کثیر جماعت امام و مجتہد مانتی اور ان کی تقلید کرتی ہے درانحالیکہ وہ کھلم کھلا شیعہ تھے۔ زید شہید بن امام زین العابدین کو امام مانتے تھے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کے خروج کو رسول اللہ کے خروج بدر سے تشبیہ دیتے تھے ان کی مالی اعانت کی تھی ان کی شہادت کے بعد وہ ان کا ذکر شہادت کرتے تھے اور روتے تھے۔ ان کے زمانے میں زیدیوں کی کوئی منظم جماعت کسی خاص نام سے نہ تھی اس وجہ سے وہ عام مسلمانوں سے علیحدہ ظاہر کرنے کے لئے اپنے کو ابو حنیفہ کہتے تھے یعنی دین حنیف کے اصلی ماننے والے ورنہ حنیفہ ان کے کسی لڑکے یا لڑکی کا نام نہ تھا ان کے عقائد سے عام طور پر لوگ واقف تھے۔ مشہور تابعی عطا بن رباح مکی سے جب ان سے ملاقات ہوئی تو عطا نے سب سے پہلے ان کے عقائد دریافت کئے جس کے جواب میں انھوں نے وہی عقیدہ بیان کیا جو زیدیوں کا ہے یعنی میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔

اگرچہ ان کا تعلق شیعوں کے ایک خاص فرقے سے تھا لیکن

اشتراک تشیع کی وجہ سے وہ یہ تبتدہ مہے اسلامی فرقوں کے فرق شیعہ سے اپنے کو قریب تر سمجھتے تھے اور ان کی حمایت میں ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔

ان کی طرف جو مسائل فقہیہ منسوب اور فقہ اہل بیت کے خلاف ہیں وہ قاضی ابو یوسف کے ساختہ پرداختہ ہیں جو حکومت کی مرضی سے انھوں نے بغرض اختلاف بنائے ہیں اور ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی طرف کسی کتاب کا انتساب صحیح نہیں قیاس جو فقہ حنفی کا اہم اصول ہے امام ابو حنیفہ اس کے منکر تھے علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں، مناظر احسن گیلانی نے ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی میں اور محمد ابو زہرہ نے امام ابو حنیفہ میں وہ گفتگو نقل کی ہے جو امام محمد باقر علیہ السلام اور ابو حنیفہ سے ہوئی جس میں انھوں نے قیاس سے انکار کیا ہے ان سب کی تفصیل آپ کو امام ابو حنیفہ کی زندگی سے معلوم ہو گی جس کا تمام تر ماخذ یہی مذکورہ بالا کتابیں ہیں اور انھیں کے مصنفین نے ان پر تحقیقی کام کیا ہے یہ کتابیں عام طور پر ملتی ہیں ہم نے ہر جگہ اصل عبارتیں بڑی احتیاط سے نقل کی ہیں اور رو میں ان کا صفحہ بھی لکھ دیا ہے۔ آخر میں فرقہ زیدیہ کا مختصر تعارف بھی ضروری ہے کیونکہ ان کا وجود اس برصغیر میں نہیں ہے اس وجہ سے لوگ ان عقائد سے بے خبر ہیں اور ہمارے موضوع کا تعلق انھیں سے ہے۔

زیدی شیعوں کا مختصر تعارف فرق شیعہ میں حقیقتاً صرف تین فرقے ہیں اثنا عشریہ اسمعیلیہ، زیدیہ اور ہر ایک کی دو شاخیں ہیں اثنا عشریہ کی اصولی اور اخباری، اسمعیلیہ کی آغا خانی اور بوہرے، زیدیہ کی فاطمیہ زیدیہ

اور زیدیہ۔ ان کے علاوہ کسی فرقہ کا وجود ان کے افراد یا لٹریچر کے ذریعہ ثابت نہیں۔ تاریخوں میں جو نام ملتے ہیں وہ بظاہر بے بنیاد ہیں۔

زیدی علی اور اولاد فاطمہ میں خلافت کو منحصر سمجھتے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو برا نہیں کہتے۔ زید بن امام زین العابدین علیہ السّلام سے ان کا سلسلہ امامت شروع ہوتا ہے اور اب تک جاری ہے۔ یمن ان کا مرکز ہے جہاں ان کے امام کی حکومت ہے حالیہ انقلاب میں بھی ان کے متبعین انہیں امام مانتے ہیں۔ ملک کے ایک حصہ پر ان کا قبضہ ہے اور پورے ملک پر پھر سے حکومت قائم کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

ائمہ زیدیہ میں بڑے جلیل القدر ائمہ گذرے ہیں ان میں امام الداعی الی اللہ الحسن بن زید بن محمد بن اسمٰعیل ... کی کتاب البیان گرانقدر کتاب ہے

الامام القاسم بن ابراہیم متوفی سنہ ۲۸۰ھ بلاد یمن میں صاحب الصعدہ تھے زیدیہ قاسمیہ انھیں کی طرف منسوب ہیں۔ کتاب الاشربہ۔ کتاب الایمان والنذور ان کی تصنیفیں ہیں۔

امام یحییٰ بن القاسم بن ابراہیم متوفی سنہ ۲۹۸ھ کی کتاب جامع فقہ کی اہم کتاب ہے۔

متاخرین میں امام الداعی الی اللہ الحسن بن علی بن حسن بن زید بن عمر ... نے فرقہ زیدیہ کے متعلق اہم کتابیں لکھی ہیں۔ ان تمام کتابوں میں فروع مسائل کا استنباط قرآن و حدیث سے کیا گیا ہے یہی مسلک اثنا عشریہ کا بھی ہے فقط

والسّلام

سید محمد مرتضیٰ نقوی اجتہادی

امام ابو حنیفہ کی زندگی

خاندان امام ابو حنیفہ کے اجداد کابل کے رہنے والے تھے حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ان کے دادا زوطی گرفتار ہو کر آئے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :۔

ان کا خاندان ابتداً کابل میں آباد تھا ان کے دادا جن کا نام بعض نے زوطی اور بعض نے زوطی لکھا ہے جنگ میں گرفتار ہو کر آئے اور مسلمان ہو کر یہیں (کوفہ میں) رہ پڑے
خلافت و ملوکیت ص ۲۳۲

ان کو حضرت علی سے بے حد خلوص پیدا ہو گیا اسی لئے انھوں نے اپنے قیام کے لئے کوفہ کو منتخب کیا کیونکہ وہ حضرت علی کا دارالخلافہ اور شیعیان علی کا مرکز تھا۔

شبلی نعمانی نے ان کے کابلی ہونے اور قید کی حالت میں اسلام لانے میں شک کا اظہار کیا ہے لیکن یہ ان کو بھی تسلیم ہے کہ وہ حضرت علی کے زمانہ خلافت میں مسلمان ہوئے اور کوفہ کو انھوں نے اپنے قیام کے لئے اسی وجہ سے منتخب کیا کہ وہاں حضرت علی کا قیام تھا انھوں نے حضرت سے تقرب حاصل کیا اور ان کی خدمت میں تحائف بھیجتے رہتے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

زوطی کے متعلق ہم نہیں بتا سکتے کہ وہ کس خاص شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لئے ہیں جن میں

سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا یقینی طور پر
جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل
سے تھے یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے
اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے غالباً
زوطی اسی زمانہ میں ایمان لائے اور بوجہ شوق یا خاندان والوں
کی ناراضی سے جس کا سبب تبدیل مذہب تھا عرب کا رخ کیا یہ
جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ
دار الخلافہ ہونے کا شرف رکھتا تھا اس تعلق سے زوطی
نے کوفہ پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب
امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص و عقیدت کے آداب
بجا لاتے ایک بار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن
ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا نورزنا
کل یوم ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے ثابت امام ابوحنیفہ
کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال
لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا آپ نے بزرگانہ
شفقت فرمائی اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی سیرۃ النعمان ص ۲۱

خاندانی پیشہ اور ماحول

ثابت نے جوان ہو کر تجارت شروع کی
چالیس برس کے سن میں ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام نعمان رکھا
یہی امام ابوحنیفہ ہیں یہ عبدالملک بن مروان کی حکومت کا زمانہ تھا جس
کے خلاف کوفہ میں محاذ قائم تھا بنی امیہ کے استیصال اور اہل بیت
کی خلافت کی تحریک زور پر تھی امام ابوحنیفہ نے اسی ماحول میں

آنکھ کھولی اور اسی شہر میں جوان ہوئے جو شیعیان علی کا مرکز تھا

علم کی طرف توجہ امام ابو حنیفہ نے اپنے باپ کا پیشہ تجارت اختیار کیا لیکن طبیعت علم کی طرف مائل تھی چند روز کے بعد کلامی مسائل سے دلچسپی لینے لگے لیکن اس سے بہت جلد دل برداشتہ ہو کر فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اپنے وقت کے تمام اصحاب حدیث سے استفادہ حاصل کیا لیکن فطرتاً انھیں اخذ علم کے لئے اہل بیت کی طرف مائل ہونا چاہئے تھا کیونکہ ان کا خاندان دادا کے وقت سے حضرت علی کا مقرب تھا اور اس لحاظ سے بھی کہ کوفہ شیعیان علی کا مرکز تھا جہاں امام ابو حنیفہ پیدا ہوئے اور نشوونما پائی اور اس لحاظ سے بھی کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک قرآن حدیث کے سب سے زیادہ جاننے والے رسول کے اہل بیت تھے اور خلفاء کو اس سے تشویش تھی اور ان کا علمی اثر کم کرنے کی فکر میں رہتے تھے چنانچہ علامہ ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ :۔

منصور نے امام ابو حنیفہ سے کہا کہ لوگ جعفر بن محمد کے علم و فضل کے شیدا ہو رہے ہیں تم ان کے لئے کچھ مشکل مسائل مرتب کر کے لاؤ۔

امام ابو حنیفہ ص۱۳۵

ابو حنیفہ اہل بیت کے اصل شاگرد ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ عام مسلمان ان کے علم و فضل کی وجہ سے ان کے گرویدہ تھے کوئی وجہ نہیں کہ علم حاصل کرنے والا ان کی طرف متوجہ ہونے پر اپنے کو مجبور نہ پائے خصوصاً امام ابو حنیفہ جو علم کے شائق اور اس خانوادہ کے موروثی عقیدتمند تھے چنانچہ انھوں نے اس خاندان کے مشہور افراد سے اخذ علم کیا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :۔

ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی (امام محمد باقر) خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق ان سے بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ اور سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا سیرۃ النعمان صنہ

علامہ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں :-

نفس زکیہ اور ابراہیم کے والد سے امام کا علمی رشتہ تھا حتیٰ کہ صاحب المناقب نے ان کے والد (عبداللہ بن حسن) کو امام کے شیوخ کے ضمن میں بیان کیا ہے امام ابو حنیفہ

یوں تو امام ابو حنیفہ نے خاندان رسالت کے بیشتر افراد سے کسب فیض کیا لیکن وہ زید بن امام زین العابدین سے زیادہ متاثر تھے علامہ ابو زہرہ کا بیان ہے کہ :-

امام زید بن علی زین العابدین متوفی ۱۲۲ھ مختلف علوم کے ماہر تھے قراءت علوم قرآنیہ فقہ عقائد مقالات کلامیہ میں انھیں پورا عبور حاصل تھا حتیٰ کہ معتزلہ انھیں اپنے شیوخ میں شمار کرتے تھے کہتے ہیں کہ امام صاحب متواتر دو سال تک ان سے اخذ علوم کرتے رہے چنانچہ الروض النفیہ میں ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں "میں نے زید بن علی اور ان کے دوسرے افراد خاندان کو دیکھا مگر

جس نے ان سے زیادہ فقیہ زیادہ فصیح و بلیغ اور
حاضر جواب کسی کو نہیں پایا حقیقت یہ ہے کہ علم میں
ان کی کوئی مثال نہیں تھی"۔
امام ابو حنیفہ ص ۲۹

زید شہید کی بیعت اس علمی اور روحانی وابستگی کا نتیجہ تھا کہ
وہ بنی امیہ کی حکومت کو ناجائز سمجھتے تھے اور کھلم کھلا انھیں
غاصب کہتے تھے انھوں نے کسی اموی خلیفہ کی بیعت نہیں کی اور
اپنے شاگردوں کو بھی ان سے ترک موالات کی تلقین کرتے تھے ان
کے اس موقف سے عام طور پر لوگ واقف تھے چنانچہ جب حضرت
زید نے دعوائے خلافت کیا تو امام ابو حنیفہ نے فوراً ان کی بیعت کی
اور ان کے خروج کو رسول اللہ کے خروج بدر سے مشابہ قرار دیا اور
دس ہزار درہم جنگی مصارف کے لیے ان کی خدمت میں بھیجے اس
طرح ان کے جہاد میں شرکت کی علامہ محمد ابو زہرہ کا بیان ہے کہ:۔

جب زید بن علی زین العابدین نے ہشام بن عبد الملک
کے زمانہ میں خروج کیا تو امام نے فتویٰ دیا کہ خروجہ
یضاھی خروج رسول اللہ یوم بدر زید کا خروج
آنحضرت کی جنگ بدر سے مشابہ ہے

چنانچہ اس کے بعد امام صاحب نے زید کی خدمت میں
دس ہزار درہم بھیجے اور پیام رساں سے کہا کہ ان
کی خدمت میں میرا عذر کر دینا ان دونوں روایتوں سے
معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اموی حکومت کے خلاف
شرعاً بغاوت جائز سمجھتے تھے بشرطیکہ امام زید جیسا

امام عادل اس کی زیادت کرے امام ابوحنیفہ صفحہ ۲۵

امام ابوحنیفہ کے جب اس فتوے ۔ اور رعایت کی خبر دمشق پہنچی تو وہاں کے مشہور محدث و فقیہ امام اوزاعی نے کہا کہ ہم نے ابوحنیفہ کی ہر بات کو برداشت کیا یہاں تک کہ وہ تلوار لے کے ہمارے مقابلہ پر نکل آئے ۔ یہاں ہر بات سے مسلسل زبانی مخالفین مراد ہیں اور تلوار لے کے مقابلہ پر نکل آنے سے مراد فتوائے جہاد ہے ۔

علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ :۔

ابو بکر جصاص نے شام کے مشہور محدث و فقیہ و مجتہد امام اوزاعی کا جو یہ قول نقل کیا ہے احتملنا ابا حنیفہ علی کل شئی حتی فیما جاءنا بالسیف

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اس زمانہ میں اہل سنت والجماعت میں سمجھا جاتا تھا ان کے ایک مستند فقیہ و عالم کی طرف سے بنی امیہ کی حکومت کے خلاف امام ابوحنیفہ کا اقدام تعجب اور انکار کی نظر سے دیکھا گیا امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی صفحہ ۱۰۶

یعنی امام ابوحنیفہ کا یہ اقدام مسلک اہل سنت کے خلاف تھا

زید بن امام زین العابدین نے اس جنگ میں جام شہادت نوش کیا ان کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ نے خروج کیا وہ بھی شہید ہوئے ان کے بعد ان کے پوتے عبداللہ نے یمن میں بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے سپہ سالار سے مقابلہ کیا مگر وہ بھی شہید ہوئے امام ابوحنیفہ کو بے حد صدمہ ہوا انھوں نے بنی امیہ کے خلاف شدت سے

محاذ قائم کیا اور غم و غصہ کا علانیہ اظہار شروع کیا
علامہ ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ :۔

امام زید سے امام ابوحنیفہ کی عقیدت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی نظر میں زید کی کس درجہ منزلت تھی حتیٰ کہ ان کے خروج کو بدر کے دن آنحضرت کے خروج سے تشبیہ دینے میں بھی انھوں نے تامل نہیں کیا علم و فضل اور خلق و دین کے لحاظ سے بھی انھیں حد درجہ عزیز و محترم رکھتے تھے انھیں امام برحق سمجھا اور ان کی مالی امداد بھی کی تاکہ جہاد سے پیچھے رہنے والوں میں شمار نہ ہوں

وہ امام زید کو امویوں کی تلوار سے قتل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں ان کے بعد ان کے صاحبزادے اور پھر ان کے پوتے شہید ہوتے ہیں ان واقعات نے امام صاحب پر گھٹن کی کیفیت طاری کر دی لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ ان ہوش ربا مظالم کا ذکر ان کی زبان پر نہ آتا اور ان مظالم کے بیان سے وہ خاموش رہتے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علماء کی زبان شمشیر خارا شگاف سے زیادہ سخت ہوتی ہے امام ابوحنیفہ اس وقت عباسی تحریک شروع ہو چکی تھی جس کی ابتدا آل محمد کو ان کا حق دلانے پر تھی ۔ جگہ جگہ سے بنی امیہ کے سقوط کی خبریں آ رہی تھیں امام ابوحنیفہ کا اس طرح زبان سے ان کے خلاف جہاد میں مصروف ہونا اموی حکومت کے لئے تشویش کا سبب بن گیا اور اس کے عراقی گورنر نے ان کو ملانے کی کوشش کی انھیں بلا کے چاہا کہ قاضی

یا خزانے کا نگراں مقرر کر کے ان کی زبان بند کر دے لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا اس نے سختی کی لوگوں نے سمجھایا کہ حکومت کا عہدہ قبول کر لیں انھوں نے کہا اگر یہ شخص مجھ سے اپنے لئے واسط شہر کی مسجد کے دروازے گننے کو کہے جب بھی قبول نہیں کروں گا اس نے قید کر دیا اور اتنے درّے لگوائے کہ مرنے کے قریب ہو گئے مگر اپنے موقف پر قائم رہے تو اس نے خود عاجز آکر کہا کہ وہ مجھ سے غور کرنے کے لئے مہلت لے لیں چنانچہ انھوں نے مہلت لے لی اور قید سے رہا ہوتے ہی مکہ فرار کر گئے اور اس وقت تک وہیں رہے جب تک کہ بنی امیہ کا استیصال نہیں ہوا علامہ ابو زہرہ نے یہ ساری روداد اس طرح بیان کی ہے:-

یزید بن عمر بن ہبیرہ نے جو مروان بن محمد (بنی امیہ کا آخری خلیفہ) کی طرف سے عراق کا گورنر تھا امام ابوحنیفہ کو طلب کیا تاکہ انھیں قاضی یا خزانے کا نگراں مقرر کرے۔

ابن ہبیرہ اس عہدے کی پیش کش سے امام ابوحنیفہ کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ وہ حکومت کے کس حد تک وفادار ہیں اور آل علی کی نصرت و حمایت سے متعلق حکومت وقت کو جو اطلاعیں پہنچی ہیں وہ کہاں تک درست ہیں کیونکہ ان دنوں عراق و ایران میں حالات دگرگوں ہو رہے تھے اور آئے دن فارس کے علاقوں پر بنی عباس قابض ہو رہے تھے اور گرد و پیش سے بنی امیہ کا اقتدار ختم ہو رہا تھا

چنانچہ مکی اپنے مناقب میں متعدد رواۃ سے لکھتے ہیں:-

منصب کی پیش کش اور امام صاحب کا انکار | بنی امیہ

کے دور میں ابن ہبیرہ کوفہ کا گورنر تھا اس زمانہ میں
عراق فتنوں کا گہوارہ تھا اس نے فقہائے عراق کو اپنے
آستانہ پر طلب کیا جن میں ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ اور
داؤد بن ہند بھی شامل تھے چنانچہ ان سب کو اس نے اپنے
دربار میں منصب عطا کئے امام ابو حنیفہ کو بھی بلایا اور
مہر کاری جہان کے سپرد کرنے کا ارادہ کیا ـــــــــ
مگر امام صاحب نے انکار کر دیا ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ اگر
وہ یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے تو سزائے تازیانہ دی جائے گی
اب مذکورہ بالا فقہاء نے امام صاحب کو سمجھانا شروع کیا
اور کہا ـــــــــ ہم سب آپ کے بھائی ہیں اور حکومت
سے تعلق ہم میں سے ہر ایک کو ناپسند ہے مگر اس وقت قبول
کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔
امام صاحب نے اُن کو جواب دیا کہ اگر یہ شخص مجھ سے چاہے
کہ واسط شہر کی مسجد کے دروازے گنا کروں تو میں یہ بھی
نہیں کروں گا ـــــــــ اس پر پولیس کے افسر اعلیٰ
نے امام صاحب کو نظر بند کر دیا اور متواتر کئی روز تک
تازیانے مارتا رہا آخر ایک دن کوڑے مارنے والا ابن ہبیرہ
کے پاس آیا اور کہا کہ وہ تو مرنے کے قریب ہیں
ابن ہبیرہ نے رہائی کا حکم دے دیا رہائی کے بعد امام صاحب
اپنی سواری پر بیٹھے اور مکہ معظمہ کی طرف فرار ہو گئے۔ یہ
واقعہ سنہ ۱۳۰ھ کا ہے وہ مکہ میں اس وقت تک مقیم رہے

جب تک کہ عباسیوں نے خلافت پر قبضہ نہیں کرلیا۔
ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو اس لئے ایذائیں دیں کہ حکومت
سے وفاداری کا امتحان کرے جس کے بارے میں بہت سے شبہات
پیدا ہوگئے تھے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض دوسرے فقہاء پر بھی
اس قسم کے اتہام لگائے گئے تھے مگر انھوں نے حکومت
کے پیش کردہ مناصب قبول کرکے صفائی کرلی اور شبہات
کو دور کردیا انھوں نے یہ اقدام یا تو اس ورطۂ ہلاکت
سے نکلنے کے لئے کیا ہوگا جس میں وہ پھنسے ہوئے تھے یا
پھر یہ کہ ان حضرات میں امام صاحب کا سا صبر و ضبط نہیں
تھا اس لئے انھوں نے تقیہ[1] سے کام لیا ابو حنیفہ ص

امام ابو حنیفہ عباسی دور میں

واقعہ کربلا کے بعد اہلبیت کو خلافت نہ ملنے کے نتائج کو مسلمانوں
نے دیکھا اور انھیں آل رسول سے ہمدردی اور بنی امیہ سے نفرت ہوگئی

---

[1] عباسی خلیفہ واثق باللہ کے زمانہ تک بہت سے علمائے اہلسنت تقیہ
کئے ہوئے تھے اس کی تفصیلی روداد لکھتے ہوئے علامہ ابو زہرہ لکھتے ہیں
تقیہ صرف اس وقت جائز ہے جب کسی ملک میں اسلام قوت و شوکت
سے محروم ہو اور مسلمان وہاں سے نکل بھی نہ سکتے ہوں تو ایسی صورت
میں یہ جائز ہے کہ آدمی دین کا اخفاء کرے یہ اجازت آسانی و سہولت
کے لئے عطا کی گئی ہے الامام احمد بن حنبل ص ۱۳۹

بہت سی سیاسی تحریکیں آل محمد کی خلافت کے نام سے قائم ہوگئیں ان میں ایک تحریک شیعوں کی بھی تھی جن کی واقعی غرض بنی امیہ کا استیصال اور اہل بیت کی خلافت تھی اس کے قائد ابو مسلم خراسانی وغیرہ تھے جب یہ تحریک مضبوط ہوگئی تو امام جعفر صادق کے پاس وفد بھیجا کہ وہ تشریف لائیں اور تخت خلافت پر متمکن ہوں وفد کو یہ بھی ہدایت کردی کہ اگر وہ منظور نہ کریں تو عبداللہ محض بن امام حسن ؑ سے غرض کرے اور وہ بھی قبول نہ کریں تو عمر الاطرف بن امام زین العابدین کو خلافت پیش کرے وفد نے امام جعفر صادق سے ملاقات کی انھوں نے یہ کہہ کے انکار کردیا کہ یہ خلافت اب ہمارے کام کی نہیں رہی جس کا مطلب یہ تھا کہ ملوکیت پورے طور پر چھا چکی ہے اور انھیں ہتھکنڈوں سے یہ خلافت استوار کی جارہی ہے جسے میں قبول نہیں کرسکتا اس کے بعد وفد حسب ہدایت دوسرے افراد سے ملا سب نے انکار کردیا۔

اب کوئی چارہ نہ رہا اور سب نے ابوالعباس سفّاح کو ہاشمی سمجھ کے اختیار کرلیا انھیں خیال تھا کہ یہ بنی امیہ سے انتقام اور اہل بیت کے احترام میں کوتاہی نہ کریں گے۔ شروع میں انھوں نے بھی ایسا ہی ظاہر کیا غم حسین میں اپنا لباس سیاہ قرار دیا اور انتقام خون حسین کے نام سے بنی امیہ کا قتل عام کیا جس کی تہ میں بنی امیہ کا خطرہ دور کرنا تھا جب خلافت استوار ہوگئی تو اہل بیت رسول اور ان کے شیعوں پر سختی شروع کی جس سے شیعہ مخالف ہوگئے انھیں میں امام ابوحنیفہ بھی تھے اس کی تفصیل علامہ محمد ابو زہرہ سے سنئے :۔

جب ابوالعباس سفّاح کوفہ آیا اور وہاں کے لوگوں سے

بیعت طلب کی تو اس وقت امام صاحب بھی کوفہ میں موجود تھے
چنانچہ صاحب المناقب لکھتے ہیں۔ –
ابو العباس سفاح کوفہ پہنچا تو اس نے علمائے شہر کو جمع کرنے کا
حکم دیا جب علماء جمع ہو گئے تو اس نے حسب ذیل تقریر کی: –
آخر یہ (خلافت) تمہارے پیغمبر کے اہل بیت کے پاس پہنچ گئی
اور خدا نے تم پر کرم کیا اور حق کو قائم کر دیا آپ لوگ علماء
کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے زیادہ مستحق ہیں کہ
حق کی اعانت کے لیے آگے بڑھیں اس کے صلہ میں آپ
کے ساتھ داد و دہش کی جائے گی اور آپ لوگوں کے حسب
منشاء اللہ کے مال سے مہمان نوازی کی جائے گی۔ پس چاہیے
کہ آپ اس خلیفہ کی (میری) بیعت کر لیں۔ –
ابو العباس نے تقریر ختم کی تو حاضرین کی نگاہیں امام ابو حنیفہ کی طرف
اٹھیں امام صاحب کھڑے ہوئے اور حسب ذیل تقریر کی: –
خدا کے حکم اور امر پر ہم نے آپ کی بیعت کی اور اس
بیعت کے عہد کے ساتھ ہم تا قیامت وفادار رہیں گے پس
خدا سے دعا ہے کہ اس امر (خلافت) کو ان لوگوں سے خالی
نہ رکھے جو رسول سے قرابت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ –
——— مجلس ختم ہوئی اور علماء باہر نکلے تو اکثر نے امام صاحب
کے گرد جمع ہو کر پوچھنا شروع کیا آپ نے جو فرمایا قیامت تک وفادار
رہیں گے تو اس سے آپ کا مقصد کیا تھا؟"
حاشیہ پر لکھتے ہیں: –

المناقب للمکی ص۱۰۲ ج ۲ والمناقب لابن البزازی ص۲۰
ج ۲ - ابن البزازی نے تقریر کے کلمہ الی قیام الساعہ پر
حاشیہ لکھا ہے کہ اس لفظ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس
سے امام صاحب کا مقصد الی قیام الساعہ من المجلس ہو
یعنی اس مجلس کے ختم ہونے تک ہم تمہارے وفادار
رہیں گے ...... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تا قیامت مراد
ہو اس میں شک نہیں کہ یہ خطبہ بیعت تھا اور امام
صاحب کو پورا یقین تھا کہ اولاد علی کے ساتھ انصاف
ہوگا مگر جب یہ توقع پوری نہ ہوئی تو بنی عباس پر تنقید
شروع کر دی جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

"دوسری چیز اس روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابو العباس کی بیعت
پر علماء خوش نہیں تھے۔
بلاشبہ اس موقع پر وہ لوگ بھی تھے جو بنی امیہ کے زمانہ میں
منصب حکومت پر کام کر چکے تھے جیسے ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ کہ
محمد بن مروان کی بیعت اور اس سے وفاداری کا عہد ان کی گردن پر تھا
لہٰذا ان کے لئے یہ جائز ہی نہیں بلکہ لازم تھا کہ نئے خلیفہ کی بیعت سے
گریز کریں مگر امام صاحب کی پوزیشن ان کے خلاف تھی امام صاحب کے
سر پر نہ بنی امیہ کی بیعت کی تھی اور نہ ان سے عہد وفا باندھا تھا
وہ ہر طرح بری الذمہ تھے۔"

امام ابو حنیفہ اور حکومت عباسیہ: امام ابو حنیفہ نے نشاط
قلب کے ساتھ عباسیوں کے عہد حکومت کا استقبال کیا جیسا کہ ان

کہ اس خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے جو انھوں نے ابوالعباس سفاح کے سامنے اس کی بیعت کرتے وقت دیا تھا اور یہ چیز امام صاحب کے ماضی سے عین مطابقت رکھتی تھی اگرچہ بعد میں جو حالات پیش آئے اس کی بنا پر اس خلیفہ اور اس حکومت سے اختلافات پیدا ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ عباسی حکومت سے کیوں خوش تھے؟

امام صاحب یہ دیکھ چکے تھے کہ بنی امیہ آل علی کے خلاف ہیں اور انھیں کچلنے کی کوشش کر رہے ہیں پھر انھوں نے دیکھا عباسی حکومت قائم ہو رہی ہے جو اپنی اصل نشأۃ کے اعتبار سے شیعی سلطنت ہے کیونکہ شیعی دعاۃ کے سہارے اس بنیاد پر یہ حکومت معرض وجود میں آئی تھی کہ علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ عہد و پیمان باندھ رکھا تھا اس عہد کی خواہ کچھ بھی قیمت نہ ہو مگر بہر حال یہ ایک ہاشمی سلطنت تو تھی جو اپنے ابن عم (آل علی) پر مہربان تھے اور ان سے امید تھی کہ وہ آل رسول سے پوری طرح انصاف سے پیش آئیں گے۔

علاوہ انہیں وہ بار بار یہ اعلان بھی کرتے تھے کہ وہ علویوں کا انتقام لینے اور ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دینے کے لئے اٹھے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اہل بیت کے اولیا ہیں اور دوسرے لوگوں کی نسبت ان شہداء کے خون کا بدلہ لینے کے زیادہ حقدار ہیں تو اس سے فطرتاً امام صاحب کو خوش ہونا چاہئے تھا اور ضروری تھا کہ اس پہلے خلیفہ کی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیں۔ انھوں نے اپنے خطبہ میں بھی تقدیس قرابت نبی کا اعلان کر دیا تھا اور اس خطبہ اور اس

اعلان کے بعد ہی انھوں نے اپنے فقیہہ بھائیوں کو دخول طاعت اور لزوم جماعت کی ترغیب دی تھی۔

خلافت عباسیہ سے امام صاحب کے روابط

دولت عباسیہ سے امام صاحب نے ان امور کی بنا پر جو بیان ہو چکے ہیں دوستی اور محبت کا سلسلہ قائم رکھا تھا اور اس کی بنیاد یہ چیز تھی ''

" جملہ آل رسول سے محبت "

عباسی حکومت کی مخالفت

امام صاحب نے عباسی حکومت کے خلاف اس وقت تک جنبش لب سے کام نہیں لیا جب تک ابنائے علی سے ان کی ان بن نہیں ہوئی اور ان کے مابین خصومت نے سخت صورت اختیار نہیں کرلی۔

بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب ابنائے علی کے حامی تھے ان کا تمام تر تعصب و ایثار انھیں کی خاطر تھا لہذا یہ بالکل طبعی امر تھا کہ انھیں برہم و آشفتہ دیکھ کر وہ بھی برہم و آشفتہ ہو جاتے خاص طور پر ایسی حالت میں جب ابو جعفر منصور کی حکومت کے خلاف محمد نفس الزکیہ بن عبداللہ بن حسن اور ان کے بھائی ابراہیم نے علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم کے والد سے امام صاحب کا علمی رشتہ تھا حتی کہ صاحب المناقب نے ان کے والد (عبداللہ بن حسن) کو امام کے شیوخ کے ضمن میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے والد سے امام صاحب حدیث روایت کیا کرتے تھے۔

جب ان دونوں بھائیوں نے خروج کیا تو ان کے والد عبداللہ

بن حسن جیل خانہ میں محبوس رہتے اور اپنے دونوں صاحبزادوں کی شہادت
کے بعد جیل خانہ ہی میں انھوں نے وفات پائی۔

یہ تھے وہ وجوہ جن کی بنا پر ان حضرات کے خروج کے وقت اور
ان کی شہادت کے بعد امام صاحب نے بنی عباس پر بے محابا نکتہ چینی کی
واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حوادث کے بعد امام صاحب عباسی حکومت
کی حمایت جائز نہیں سمجھتے تھے اور اپنی گذشتہ عادت کے مطابق اثنائے
درس میں ان پر نقد و کلام کی حد سے تجاوز نہیں کرتے تھے وقتاً فوقتاً ابنائے
علی کی حمایت کا اظہار بھی کرتے تھے

ادھر ابوجعفر منصور بھی امام صاحب کی اس کیفیت سے غافل
نہیں تھا مگر وہ کبھی چشم پوشی سے کام لیتا اور کبھی آزمائش امتحان
کی کسوٹی پر پرکھنے لگتا حتی کہ ابتلاؤ محن کا دور شروع ہوگیا۔

نفس ذکیہ کا خروج اور امام ابوحنیفہ | امام صاحب کی تلقین سے منصور کا آزمودہ سالار فوج تائب ہوگیا۔

۱۴۵ھ میں محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں ابوجعفر منصور کے
خلاف پرچم بغاوت بلند کیا اہل خراسان اور دوسرے دیار و امصار
کے لوگ چونکہ دور دست علاقوں میں تھے لہذا عملی مدد کرنے سے قاصر
تھے اگرچہ ان کے قلوب اپنے امام (نفس ذکیہ) کی محبت و عقیدت
اور ولا و رضا سے معمور تھے۔

امام مالک کا فتوے جہاد | روایت ہے کہ امام مالک نے نفس ذکیہ
کی حمایت میں عباسی حکومت کے خلاف خروج و بغاوت کے جواز کا فتویٰ
دے دیا تھا چنانچہ تاریخ ابن جریر او کثیر میں مذکور ہے کہ جب انھوں

نے فتویٰ دیا کہ لوگ محمد بن عبد اللہ (نفس ذکیہ) کے دست حق پرست پر بیعت کر لیں تو کچھ لوگوں نے کہا ہم تو منصور کی خلافت پر بیعت کر چکے امام مالک نے جواب دیا تم بیعت پر مجبور تھے اور جبری بیعت کوئی چیز نہیں چنانچہ بے تامل لوگوں نے امام مالک کے فتوے پر نفس ذکیہ کی بیعت کر لی اور امام مالک خانہ نشین ہو گئے۔

نفس ذکیہ کا قتل | آخر امام محمد نفس ذکیہ شہید ہو گئے جیسے ان کے بھائی ابراہیم مقتول نے عراق میں خروج کر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا تھا شہید کر دیئے گئے۔

عباسی جنرل بن قحطبہ کی توبہ | جب امام مالک محمد نفس ذکیہ کی حمایت میں خروج کا فتویٰ دینے کی بنا پر سزائے تازیانہ اور اذیتوں سے نہ بچ سکے تو امام ابو حنیفہ کا جرم تو اس سے بھی زیادہ سخت تھا کیونکہ وہ تو اپنے حلقہ درس میں علی الاعلان ان کی حمایت کا اعلان کرتے تھے۔ ان کا ایک بہت بڑا جرم یہ تھا کہ ان کی تلقین سے متاثر ہو کر منصور کے بہت بڑے فوجی جنرل (حسن بن قحطبہ) نے بھی محمد نفس ذکیہ کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا

امام ابو حنیفہ حکومت وقت کے خلاف تنقید میں اور آل علی سے الفت اور شیفتگی کی حد سے تجاوز کر کے حکومت کے خلاف ایجابی اور عملی اقدام پر اتر آئے تھے۔

امام صاحب آل علی کے جذبۂ محبت سے سرشار تھے اور خلیفہ منصور اور اس کے عمال پر برملا تنقید کرتے تھے۔ یہ بات امام صاحب کی گذشتہ زندگی اور آل علی کے ساتھ تعلقات سے بھی عین مطابق ہے جیسا کہ

گزر چکا ہے۔ امام صاحب کے امام زید سے خصوصی تعلقات تھے
امام جعفر صادق کے ساتھ مضبوط رابطہ تھا اور امام محمد الباقر سے بھی
اتصال تھا امام صاحب ابراہیم اور محمد نفس ذکیہ کے والد عبد اللہ بن حسن
کے شاگرد بھی تھے پس اگر تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امام صاحب آل علی کے
حامی تھے اور ان کے آلام و مصائب پر دل سے کڑھتے اور دل گرفتہ رہتے
تھے اور ان سے بے پناہ محبت رکھتے تھے تو یہ بات امام صاحب کی منطق
نفسی سے پورے طور پر ہم آہنگ ہے اور ان کا یہ حال ان کے ماضی سے
سراسر مربوط ہے تا صلہ ۲۴

امام صاحب کا موقف

منصور کی چشم نگراں سے یہ حقیقت پوشیدہ
نہیں رہ سکتی تھی کہ امام صاحب کا موقف کیا ہے خصوصاً اس صورت
میں کہ امام صاحب کا قیام کوفہ ہی میں تھا چنانچہ اس نے امام صاحب
کی اطاعت و وفاداری کا امتحان لینے کی ٹھان لی

قبل اس کے کہ ہم ان مصائب و محن کا ذکر کریں جو منصور نے امام
پر بلا وجہ نازل کئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ان مصائب کا نزول نفس
ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کے خروج کے فوراً بعد شروع نہیں ہوا
بلکہ پانچ سال بعد شروع ہوا کیونکہ ابراہیم کے خروج اور قتل کا واقعہ
۱۴۵ھ میں رونما ہوا اور امام کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ صلہ ۲۸
جب منصور نے علویوں کو ستانا اور ان کے سربراہوں کو قتل کرنا
شروع کیا تو امام صاحب اس پر خوش نہ تھے مگر منصور کی ایذا رسانی
سے بچے رہے اور حسب عادت علمی مشاغل میں مصروف رہے مگر
وقتاً فوقتاً ان سے ایسے اقوال و افعال صادر ہو جاتے تھے جن سے

ان کی رائے ظاہر ہو جاتی تھی چنانچہ ان میں سے ہم دو باتیں ذکر کرتے ہیں جنھوں نے منصور کی بدگمانی اور شبہات میں اضافہ کر دیا اور ان کی ذات متہم قرار دی جانے لگی۔

ا۔ اہل موصل نے منصور کے خلاف بغاوت کر کے نقض بیعت کا ارتکاب کیا۔ منصور نے ان سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ حکومت کے خلاف بغاوت کریں گے تو خلیفہ پر ان کا خون سبیل ہو گا اس موقع پر منصور نے فقہاء کو جمع کیا اس جماعت میں امام صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ منصور نے سب کو مخاطب کر کے کہا:۔

"کیا آنحضرت کی یہ حدیث نہیں :۔ المومنون عند شروطھم۔ مسلمان اپنی شرط کے پابند ہیں"

اہل موصل نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ میری حکومت کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے لیکن بایں ہمہ انھوں نے میرے گورنر کے خلاف خروج کیا لہٰذا ان کا خون میرے لئے حلال ہو چکا

اس پر ایک فقیہ نے کھڑے ہو کر جواب دیا بلا شبہ آپ کو ان لوگوں پر پورا اختیار حاصل ہے۔

اب منصور نے امام ابو حنیفہ کو مخاطب کر کے پوچھا:۔

اے شیخ آپ کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ کیا ہم جانشین نبوت اللہ گھوارۂ ایمان نہیں ہیں۔

امام صاحب کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا:۔

"اہل موصل نے جو شرط آپ سے کی تھی اس کا انھیں

حق نہیں تھا آپ نے ان سے ایسی شرط کی تھی جو آپ کو
سزاوار نہ تھی کیونکہ خون مسلم تین صورتوں میں روا ہے
لہذا اگر آپ ان کی جان لیں گے تو یہ فعل بجا نہ ہوگا اور
خدا کا حق بہت زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو ایفا کیا جائے"
یہ سن کر منصور نے مجلس برخاست کر دی ———

یہ واقعہ مناقب کی سب کتابوں میں مذکور ہے چنانچہ الکامل
لابن الاثیر حوادث سنہ ۱۴۸ھ میں ہم دیکھتے ہیں
اہل موصل کی اکثریت شیعیان علی پر مشتمل تھی۔ منصور نے
ارادہ کیا کہ موصل پہ فوج کشی کر کے راتوں رات انھیں
قتل کر ڈالے چنانچہ جواز کا فتوی حاصل کرنے کے لیے
منصور نے امام ابو حنیفہ ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ کو
بغداد طلب کیا ———

۲ دوسری بات جس سے ابو جعفر منصور کی حکومت کے متعلق
امام ابو حنیفہ کی رائے کا انکشاف ہوتا ہے یہ ہے کہ منصور
نے آزمائش کے طور پہ امام کی خدمت میں ہدیہ بھیجا مگر امام
صاحب نے واپس لوٹا دیا۔

——— یہ اور اسی قسم کی دیگر بدگمانیاں منصور
اور امام کے مابین پیدا ہوتی رہیں۔ منصور ہر وقت امام
صاحب کے متعلق غصہ میں رہتا تھا ——— ص ۱۸

ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب علویوں کی طرف مائل ہیں اور
وہ اپنے حلقہ درس و تلامذہ کے گروہ میں بے جھجک اس عقید

اظہار کرتے نظر آتے ہیں جب منصور ان سے استفتاء کرتا ہے تو برملا اس کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں کبھی منصور کی طرف سے استفتا محض امام کے باطن کا سراغ لگانے کے لئے ہوتا تھا

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ امام صاحب منصور کے عطایا قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں حالانکہ وہ عطیے محض آزمائش کیلئے ہوتے تھے

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب جب عدالتوں کے فیصلوں کو حق کے خلاف دیکھتے ہیں تو ان پر حدت اور شدت سے جرح کرتے ہیں

آخرکار منصور امام صاحب کے رویے سے تنگ آگیا بلکہ جب اسے معلوم ہوا کہ وہ علویوں کی طرف مائل ہیں اور مختلف واقعات نیز امام صاحب کے فتاویٰ سے اس کی تائید ہو گئی تو سخت پریشان ہوا۔

جب تک امام صاحب تلوار لے کے میدان میں نہ اترتے اس وقت تک کوئی بہانہ منصور کے ہاتھ نہیں لگ سکتا تھا۔ آخرکار امام صاحب کو عہدۂ قضا پیش کرنے اور ان کے انکار سے منصور کو دست درازی کا موقع مل گیا ص ۸۱ تا ۸۸

المناقب ابن بزازیں ہے کہ :-

ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ کو اس بنا پر قید کر لیا کہ قاضی بننا منظور کر لیں اور قاضی القضاۃ بن جائیں مگر امام صاحب نے انکار کیا حتیٰ منصور نے ایک سو دس تازیانے کی سزا دی پھر جیلخانہ سے رہا کر کے حکم دیا کہ تم الباب یعنی دار الخلافہ کے دروازے پر جا کر قیام کرو جس قسم کے احکام تمہارے پاس بھیجے جائیں ان کے متعلق فتویٰ دیا کرو

دیکھا کہ وہ محمد نفس ذکیہ کا ذکر شہادت کر رہے ہیں
اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں ص ۱۸۸
ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-
صاحب معجم نے تنبیہ الصحیفہ کے حوالے سے یہ واقعہ درج
کیا ہے کہ ایک دن امام ابو حنیفہ اور ابن المعتمر کو دیکھا
کہ چپ چاپ کچھ باتیں کر رہے ہیں ــــــ لوگوں
نے پوچھا کہ آپ کس بات پر رو رہے ہیں تو جواب میں
امام نے فرمایا :

ذکرنا الزمان وغلبۃ اہل الباطل — ہم ذکر کر رہے ہیں زمانہ کا
علی اہل الخیر فکثر ذالک بکاء — اور اہل باطل کے غلبہ کا اہل خیر پر

ابن المعتمر بھی شیعہ تھے ابن قتیبہ نے معارف میں انکی شیعت کی تصریح
کی ہے

ایک جگہ اس سے بھی زیادہ لکھتے ہیں :
وہ (امام ابو حنیفہ) حد سے زیادہ ضابط اور بھاری بھرکم
شخص تھے ــــــ لیکن باوجود اس کے حکومت
کے ان ستم زدوں کے ذکر پر ان کا بلبلا کے رونا اور اتنا
رونا کہ ابن مبارک جیسے محتاط محدث تک لکھتے ہوں کہ گویا
رونے روتے مر جائیں گے۔ ص ۱۳۵
یہ عمل حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کا ایک بڑا حربہ تھا اور
بنی امیہ کی جڑیں اکھاڑ چکا تھا منصور اس سے گھبرا گیا اس نے چاہا

کہ عہدہ و منصب پیش کر کے انھیں بلا ئے مگر انھوں نے قبول نہیں کیا
تو مجبوراً قید کر کے اتنی تکلیف پہنچائی کہ وہ ہلاک ہو گئے۔
یہ ہے امام ابوحنیفہ کی زندگی جس سے ان کی خاندانی اور ذاتی
وابستگی حضرت علی اور ان کی اولاد سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کا مذہب
معلوم ہو جاتا ہے اور اس پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی "تاہم
چونکہ یہ دعویٰ شہرت عام کے خلاف ہے اس لئے ہم نے ایک مستقل
عنوان قائم کر کے اس پر گفتگو مناسب سمجھی۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب

یہ بہت ہی دلچسپ اور پر لطف موضوع ہے اس میں ہمارے علماء کا انتشار و اضطرار دیکھنے کے قابل ہے۔ تاریخی حقائق نے چاروں طرف سے انھیں گھیر کے راہ فرار بند کر دی ہے وہ اسی حلقہ میں چکر کھا رہے ہیں کبھی آگے بڑھتے ہیں کبھی پیچھے ہٹتے ہیں کبھی گھیرا توڑ کے نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں کبھی عاجز آ کے اقرار کر لیتے ہیں پھر کچھ سوچ کے انکار کرتے ہیں کبھی اس طرح اقرار کرتے ہیں کہ کوئی سمجھ نہ سکے۔ نہیں معلوم اتنی پریشانی کیوں ہے جبکہ سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، ابی بن کعب، براء بن عازب حذیفہ یمانی، جابر بن عبداللہ انصاری ایسے جلیل القدر صحابہ کو شیعہ ماننے اور ان سے اخذ حدیث کرتے ہیں تو امام ابو حنیفہ کو شیعہ مان لینے میں کیا دشواری ہے اور اس سے گریز کیوں ؟

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی حالت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں

امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مسلک کے پابند تھے حجۃ اللہ البالغہ

اب یہ پتا لگانا ہے کہ ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کون تھے اور ان کا کیا مسلک تھا؟

شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان میں امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کا ایک مناظرہ نقل کیا ہے جس سے ان کے اقران کا پتہ لگ جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مستقل مذہب

کے بانی تھے کمہ معظمہ میں، امام ابو حنیفہ سے ملے رفع یدین

کے مسئلہ میں، انھوں نے کہا، میں نے زہری سے جنہ انھوں نے

سالم بن عبداللہ سے انھوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ——

امام ابو حنیفہ نے اس کے مقابلہ میں حماد ابراہیم نخعی علقمہ کے

سلسلہ کی حدیث روایت کی ——————

امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ میں زہری و سالم و عبداللہ کے

ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابلہ میں حماد نخعی

اور علقمہ کا نام لیتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے کہا۔ میرے رواۃ آپ کے رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں

سیرۃ النعمان

زہری، سالم اور عبداللہ بن عمر کی جلالت قدر سے تو آپ واقف ہیں

حماد نخعی اور علقمہ کے متعلق علامہ شبلی لکھتے ہیں:

خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ "جس قدر علقمہ کی معلومات

ہیں میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں" اس سے زیادہ

کیا ہو گا کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے ——

علقمہ واسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے

اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہاں تک کہ ان کو فقیہ عراق

کا لقب ملا۔ علم حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث

کہلاتے تھے امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز

ہیں ان کی وفات کے وقت کہا تھا کہ ابراہیم نے کسی کو نہیں

چھوڑا جو ان سے زیادہ عالم و فقیہ ہو ——————

ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوی تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے چنانچہ ان کے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔

نقہا حماد، لوگوں نے ان کی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا صف ۱۵ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے اقران علقمہ، ابراہیم نخعی اور حماد تھے اور ان لوگوں نے حضرت علی کے فتاوی جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا امام ابوحنیفہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی حماد کے شاگرد اُن کے جانشین اور حضرت علی کے مجموعہ فتاوی کے حامل تھے۔

حماد کے متعلق صاحب منتہی المقال لکھتے ہیں کہ یہ علماء شیعہ میں سے تھے ابراہیم نخعی کو علامہ ابن قتیبہ نے معارف مشاہیر شیعہ میں قرار دیا ہے، علقمہ کے بارے میں علامہ شہرستانی الملل و النحل میں لکھتے ہیں یہ مشاہیر شیعہ میں تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی جانتے تھے کہ یہ لوگ شیعہ تھے مگر وہ صاف صاف کہنا نہیں چاہتے تھے اس لئے بات یوں کہی کہ گفتہ بھی نہ رہے اور خوش تھے کہ میری بات سمجھنا محال ہے

بہرحال اب اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ امام ابوحنیفہ علمائے شیعہ کے سلسلہ کی ایک کڑی اور حضرت علی کے فتاوی کے حامل تھے جو اُن کے اساتذہ نے جمع کئے تھے وہ اپنے اساتذہ کے مسلک سے واقف تھے اس لئے انھوں نے امام اوزاعی سے بے دھڑک کہہ دیا کہ ابراہیم نخعی

اور علقمہ عبداللہ بن عمر سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور یہ وہ رائے ہے جس کا
آج کوئی حنفی قائل نہیں ہو سکتا لیکن امام ابو حنیفہ کی رائے یہی تھی اور
ان لوگوں کو وہ افقہ فی الدین عبداللہ بن عمر کے مقابلہ میں اس وجہ سے
سمجھتے تھے کہ ان کا سلسلہ حضرت علی تک پہنچتا ہے۔

لیکن علامہ ابو زہرہ کا حال پریشان ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں:-

کوفہ میں امام صاحب شیعہ معاشرہ میں رہتے تھے اور اپنے عہد کے
ائمہ شیعہ سے انھوں نے ملاقات بھی کی تھی جیسے زید بن علی
محمد الباقر جعفر الصادق عبداللہ بن حسن وغیرہ نیز باوجود
اہل بیت کی طرف مائل ہونے اور ان سے انتہائی محبت
کرنے اور ان کی خاطر ہر طرح کے مصائب کا خندہ جبینی کے
ساتھ مقابلہ کرنے کے انھوں نے اپنی رائے صحابہ کبار کے
متعلق ہمیشہ محتاط رکھی   ص ۱۰۶

عراق میں جن فقہاء سے امام صاحب مستفید ہوتے رہے
ان میں اکثر شیعہ تھے بعض کا تعلق فرقہ کیسانیہ کے ساتھ
تھا اور بعض زیدیہ عقیدے کے تھے اور کچھ امامیہ اور کچھ
امامیہ اثنا عشریہ اور کچھ کا تعلق اسمٰعیلی فرقے سے تھا۔

ان سب شیوخ کے فضل و کمال اور شخصیت سے امام صاحب
نے کچھ نہ کچھ اثر قبول کیا اگرچہ محبت آل نبی کے سوا یہ تاثر
کسی اور پہلو سے ظاہر نہیں ہوتا   ص ۱۱۴

امام صاحب نے ______ ائمہ اہلبیت سے بھی ذوق و
شوق اور عقیدت کے ساتھ اخذ و استفادہ کیا بلکہ اہلبیت

کی حمایت میں متعدد مرتبہ قابل تحسین موقف اختیار کیا جس کی بنا پر سن کہولت میں حکومت کی طرف سے ان پر عتاب نازل ہوا اور آخر کار حق کے ساتھ تمسک اور نہایت بے نیازی کی حالت میں عترت نبوی کی محبت میں مقام شہادت حاصل کیا۔

ان ائمہ میں سے امام صاحب نے زید بن العلی، محمد الباقر اور عبداللہ بن حسن سے استفادہ کیا جو علم و فقہ میں راسخ تھے چنانچہ امام زید بن علی زین العابدین متوفی ۱۲۲ھ مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ قراءت، علوم قرآنیہ، فقہ، علم عقائد مقالات کلامیہ میں انھیں پوراعبور حاصل تھا حتیٰ کہ معتزلہ انھیں اپنے شیوخ میں شمار کرتے تھے کہتے ہیں کہ امام صاحب متواتر دو سال تک ان سے اخذ علوم کرتے رہے چنانچہ الروض النضیر میں ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں:۔

میں نے زید بن علی کو اور ان کے دوسرے افراد خاندان کو دیکھا مگر میں نے ان سے زیادہ فقیہ زیادہ فصیح بلیغ اور حاضر جواب کسی کو نہیں پایا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم میں ان کی کوئی مثال نہیں تھی ص ۱۲۹

امام صاحب کے احوال و تاریخ کے ذیل میں ہم نے جو واقعات پیش کئے ہیں۔ ان سے دو باتیں واضح طور پر نظر کے سامنے آجاتی ہیں:۔

(۱) امام صاحب حضرت فاطمہ کے بطن سے جو اولاد علی تھی

اس سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے اس رجحان اور شیفتگی کے باعث
انھوں نے طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں
(۲) یہ کہ عملی طور پر انھوں نے اولاد علی کی بیعت میں کسی
بغاوت اور خروج میں حصہ نہیں لیا عام اس سے کہ وہ
خروج بنی امیہ کے عہد میں واقع ہوا ہو یا عہد بنی عباس میں
انھوں نے صرف اس پر اکتفا کی کہ مجلس درس میں اہل بیت کی
معاونت کا پرچار کریں اور اگر کوئی فتویٰ پوچھے تو اسے
شرکت پر ابھاریں جیسا کہ حسن بن قحطبہ کا واقعہ ہے۔
اس بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ امام صاحب
کے اندر تشیع کا میلان موجود تھا اب رہا یہ امر کہ کس حد تک
شیعیت کی جانب مائل تھے اور کس فرقے سے زیادہ قریبی
تعلق رکھتے تھے اس حقیقت کی ہم یہاں گرہ کشائی کرنا
چاہتے ہیں صـ ۲۹۲
یہ گرہ کشائی ایک طویل و عریض گفتگو میں انھوں نے صرف یہ کی ہے
کہ امام ابوحنیفہ نیز تمام ائمہ اہل بیت حضرت ابوبکر اور عمر و عثمان کی بزرگی
کے معترف اور ان کو برا کہنے والوں سے بیزار تھے۔ آگے چل کر انھوں نے
احترام اور برا کہنے کی یہ حد بتائی ہے:۔
امام صاحب کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی اپنی تمام لڑائیوں
میں حق پر تھے اور اس سلسلہ میں وہ حضرت علی کے مخالفین
کے متعلق کسی قسم کی تاویل کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے
اور صاف طور پر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علی سے جو بھی جنگیں

لڑی گئیں ان میں حضرت علی حق پر تھے۔

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام صاحب نہایت جرأت کے ساتھ حق بات کا اعلان کر دیتے تھے مگر حضرت علی کے مخالفین کو دشنام وطعن سے یاد نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ان کے حق میں کسی قسم کی تاویل کا سہارا لیتے تھے۔

اموی خلافت کو امام صاحب جائز نہیں سمجھتے تھے

امام صاحب کی رائے ان جنگوں کے متعلق یہ تھی جنھوں نے حضرت علی کی مخالفت کی تو وہ اموی خلافت کو کہاں تسلیم کر سکتے تھے چنانچہ ہم بلا تردد یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان کی خلافت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تھے مگر جو اموی خلفاء ان کے دور سے پہلے گزر چکے تھے ان کے متعلق ہم دلائل منطقی سے یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ وہ ان کی خلافت کو بھی صحیح نہیں مانتے تھے اس استنباط منطقی سے قطع نظر ہم امام صاحب کے قول وعمل کو سامنے رکھتے ہیں تو بلا شبہ یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ بنی امیہ کی خلافت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تھے چنانچہ جب زید بن علی نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا اور امام صاحب سے زید کا ساتھ دینے کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تو انھوں نے امام زید کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا "ان کا خروج ویسا ہی ہے جیسا جنگ بدر میں آنحضرت کا خروج تھا" یہی نہیں زید کے لشکر کو مالی امداد بھی دی مگر ان کو زید کے حامیوں پر پورا بھروسہ نہیں تھا اس لئے از خود ان کے

ساتھ میدان جہاد میں جانے سے یہ کہہ کے معذرت کی کہ اگر
مجھے یہ یقین ہوتا کہ لوگ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور
ثابت قدم رہیں گے تو میں ضرور ان کے ساتھ جہاد کے لیے جاتا
کیونکہ ان کی امامت برحق ہے
اس کے بعد جب عباسی خلفاء نے بھی اپنے دورِ حکومت میں
آلِ علی کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا اور حکومت کے ساتھ اہلبیت
کی مخالفت شروع ہوئی تو خلفائے عباسی کے مقابلہ میں بھی امام
صاحب نے وہی موقف اختیار کیا جو اموی خلفاء کے مقابلہ
میں اختیار کیا تھا۔ چنانچہ جب ابراہیم نے منصور کے خلاف
بغاوت کی تو امام صاحب نے ابراہیم کی حمایت کی
حماد بن اعین کہتے ہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے ساتھ
دینے کے لئے لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے۔

امام صاحب کا علمی استفادہ اہل بیت نبوی سے

اہل بیت کے ساتھ امام صاحب کا سیاسی ہی رشتہ
نہ تھا جو انھیں ان کی حمایت پر مجبور کرتا تھا بلکہ دراصل
امام صاحب کو اہل بیت سے علمی اتصال بھی تھا جو اس
سیاسی میلان کا سبب تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام
کا زید کے ساتھ علمی رابطہ تھا اور امام زید ان کے شیوخ
میں شمار ہوتے تھے یہی تعلق عبداللہ بن حسن سے تھا جو
محمد اور ابراہیم کے والد تھے اور ہم دیکھتے ہیں کہ امام
محمد الباقر اور جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے روایت

کرتے ہیں ——— ان سب مقدمات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امام صاحب میں کسی حد تک تشیع تھا اور وہ سیاسیات میں شیعہ کا ساتھ دیتے تھے مگر ان کی زندگی میں دو چیزیں ممتاز نظر آتی ہیں

(۱) اہل بیت کی حمایت اور ان کے تعصب سے مغلوب ہو کر وہ دوسروں کے متعلق بری رائے قائم نہیں کرتے تھے؛ دوسروں کے مسلک کو چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے تھے بلکہ اپنے دور کے علمائے اہل سنت کے ساتھ گہرا تعلق انھیں حاصل تھا ان کے شیوخ میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کسی سیاسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور ان سے بہت زیادہ متاثر تھے۔

(۲) امام صاحب شیعہ کے کسی معین فرقے کی طرف منسوب نہیں تھے بلکہ زیدیہ، امامیہ اور بعض ائمہ کے ساتھ اتصال رکھتے تھے مگر ان میں سے کسی ایک جماعت کی طرف منسوب نہیں تھے۔ لہٰذا امام صاحب کا شمار ان لوگوں میں ہے جو اہل بیت کی حمایت تو کرتے تھے مگر فکر و نظر میں آزاد تھے اور کسی خاص مسلک کے پابند نہیں تھے اور نہ کسی کلامی فرقے کی طرف منسوب ہوتے تھے۔

امام صاحب کسی خاص فرقے میں شامل نہ تھے

اس کے باوجود کہ امام صاحب کسی خاص فرقے سے نسبت نہیں رکھتے ان کے آراء تقریباً زیدیہ فرقے سے ملتے جلتے ہیں

ان تفصیلات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امام صاحب اپنے ہمعصر علماء کے مقابلہ میں شیعی میلان رکھتے تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ خلافت اولاد فاطمہ کا حق ہے اور اموی و عباسی خلفاء نے ان کا حق غصب کر رکھا ہے اور وہ ان پر ظلم کر رہے ہیں

امام ابو حنیفہ صـ ۲۹۸

علامہ ابو زہرہ نے منقولہ بالا عبارت میں مندرجہ ذیل باتیں کہی ہیں :-

(۱) امام ابو حنیفہ نے اپنی رائے صحابہ کے متعلق ہمیشہ محتاط رکھی۔

(۲) محدثین شیعہ کی شاگردی کا اثر سوائے محبت اہل بیت کے اور کسی پہلو سے ظاہر نہیں ہوا۔

(۳) وہ حضرت علی کے تمام مخالفین کو باطل پر اور حضرت علی کو حق پر سمجھتے تھے یہ رائے ان کی صحابہ کے متعلق تھی جن لوگوں نے حضرت علی کی مخالفت کی تو وہ اموی اور عباسی خلفاء کو کس طرح حق پر سمجھ سکتے مگر کسی کو طعن و دشنام سے یاد نہیں کرتے تھے۔

(۴) اہل بیت کی حمایت اور ان کے تعصب سے مغلوب ہو کر دوسروں کے متعلق بری رائے قائم نہیں کرتے تھے

(۵) اپنے دور کے علمائے اہلسنت کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے

(۶) وہ فکر و نظر میں آزاد تھے اور کسی خاص مسلک کے پابند نہیں تھے

(۷) ان کے آراء تقریباً زیدیہ فرقے کے ہیں۔

(۸) یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ان میں تشیع تھا۔

(۹) وہ شیعوں کے کسی خاص فرقے سے منسوب نہیں تھے۔

(۱۰) ان کی یہ رائے تھی کہ خلافت علی اور ان کی اس اولاد
کا حق ہے جو بطن فاطمہ زہرا سے ہے۔ اموی و عباسی
خلفاء نے ان کا حق غصب کر رکھا ہے اور وہ ان پر
ظلم کر رہے ہیں۔

موصوف نے اپنی دوسری کتاب امام احمد بن حنبل میں ایک مستقل عنوان
قائم کر کے مسئلہ خلافت میں امام حنبل کی رائے تفصیل سے لکھی ہے لیکن امام
ابو حنیفہ کا کوئی بیان انہیں ایسا نہیں مل سکا جسے وہ پیش کر سکتے۔ مجبوراً
اپنے قول سے کام نکالا کہ انھوں نے حضرت ابوبکر و عمر کے متعلق ہمیشہ محتاط
رائے رکھی۔ وہ رائے کیا ہے۔ مورخانہ دیانت کا تقاضا تھا کہ وہ اس
رائے کو پیش کرتے لیکن وہاں کچھ ہوتا تو لکھتے۔ تاریخی حقائق ان کے خلاف
صف بستہ تھے اس صورت میں تضاد اور پریشان بیانی ضروری تھی۔ ایک
طرف وہ کہتے ہیں کہ

محمد بن شیعہ کی شاگردی کا اثر سوائے محبت اہل بیت کے
اور کسی پہلو سے ظاہر نہیں ہوا۔

وہ اہل بیت کی محبت سے مغلوب ہو کے کسی کے متعلق بری
رائے قائم نہیں کرتے تھے کسی کو طعن و دشنام سے
یاد نہیں کرتے تھے۔

فکر و نظر میں آزاد تھے۔

ان میں تشیع تھا۔

شیعوں کے کسی خاص فرقے سے منسوب نہیں تھے

پھر خود ہی اپنی رد کرتے ہیں کہ ۔۔۔

وہ حضرت علی کو حق پر اور ان کے تمام مخالفین کو باطل پر سمجھتے تھے
خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے متعلق ان کی رائے تھی کہ
انھوں نے اہل بیت کا حق غصب کر رکھا ہے اور وہ ظالم ہیں۔
ان میں تشیع کا میلان تھا۔
ان کے آراء تقریباً زیدی فرقے کے ہیں۔
ان کی رائے تھی کہ خلافت علی اور ان کی اس اولاد کا حق
ہے جو بطن فاطمہ زہرا سے ہے۔
اب ان کا یہ دعویٰ کہ محبت اہل بیت کا اثر کسی اور پہلو سے ظاہر نہیں
ہوا یا وہ کسی کے متعلق بری رائے قائم نہیں کرتے تھے یا وہ کسی خاص مسلک
کے پابند نہیں تھے یہ سب بے معنی ہو جاتا ہے۔
موصوف نے ایک طولانی گفتگو اس پر بھی کی ہے کہ نہ صرف امام
ابو حنیفہ بلکہ تمام ائمہ اہل بیت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کا احترام کرتے تھے
اگر احترام کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب و شتم نہیں کرتے تھے تو ہم بھی
اس سے متفق ہیں۔ یہ بات ان کی سیرت کے بالکل موافق ہے وہ کبھی اس
کو پسند نہیں کر سکتے تھے۔
حضرت علی نے اپنے ایک ساتھی کو جو خوارج کی جنگ میں شریک تھے
خوارج کو سب و شتم کرنے پر سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ تم سے تمہارا امام پہچانا جائیگا
ان حضرات کی شان اس سے بلند تھی کہ وہ سب و شتم سے اپنی زبان
آلودہ کرتے لیکن اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ علی کے احق بالخلافۃ ہونے
کے دعوے کی تکذیب کرتے تھے اور ان لوگوں کو خلیفہ برحق مانتے تھے
تو یہ ایسی بات ہے جس کو روایت و درایت جھٹلاتی ہے اور خود ابو زہرہ کا

یہ قول اس کو رد کرتا ہے کہ وہ حضرت علی کے تمام مخالفین کو باطل پہ سمجھتے تھے لیکن طعن و دشنام سے انھیں یاد نہیں کرتے تھے۔

شبلی نعمانی نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی کو ستایا نہیں کسی سے بدعہدی نہیں کی ص ۹۸

معلوم ہوا کہ طعن و دشنام اور چیز ہے اور باطل پر سمجھنا اور بات ہے انھوں نے خلفائے بنی امیہ و بنی عباس پر بھی لعن و طعن نہیں کیا لیکن ان کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ وہ غاصب ہیں اور خلافت اولاد علی کا حق ہے۔

یہ منطق بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ علی و اولاد فاطمہ کو وہ مستحق خلافت سمجھتے تھے لیکن یہ نسلی امتیاز خلفائے ثلاثہ کے مقابلہ میں باقی نہیں رہا کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ تقدیس نسلی میں خلفائے ثلاثہ ان حضرات کے برابر تھے۔

علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نسب میں تمام اشراف عرب سے افضل ہونا معجزات رسالت میں سے ہے۔ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۵۳۴

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ کسی زمانہ میں کوئی شخص حضرت کے بزرگوں سے افضل و بہتر نہیں تھا۔

علامہ برہان الدین حلبی لکھتے ہیں کہ حضرت شریف اور صحیح النسب بزرگوں کے جوہر تھے جن میں کوئی بات رذالت و عیب کی نہ تھی

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ آپ نسب میں سب سے اعلیٰ تھے۔ مواہب اللدنیہ

آنحضرت نے خود اپنے نسب کی برتری تمام قریش پر ظاہر کی ہے فرماتے ہیں:۔

خدا نے میرے نور کو پیدا کر کے آدم کے صلب میں رکھا پھر
اس وقت سے آخر تک حضرت آدم کی جو اولاد ہوتی گئی اس
میں خدا نے میرا نور اس شخص کے صلب میں رکھا جو سب
سے بہتر اور اشرف و اعلیٰ تھا اور زمانہ جاہلیت کی خرابیوں
میں سے کوئی عیب مجھ میں نہ ہو سکا کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۱۰۱
آنحضرت کی ذات نے اس امتیاز نسلی میں اور چار چاند لگا دیئے اب
کون کہہ سکتا ہے کہ اولاد رسول سے تقدیس نسلی میں کوئی برابر تھا۔
حضرت عمر کا اس خاندان کی غلامی پر فخر تاریخوں میں موجود ہے مشہور
واقعہ ہے کہ ایک دفعہ امام حسن ؑ نے عبداللہ بن عمر کو غلام زادہ کہہ دیا انھوں
نے باپ سے شکایت کی انھوں نے کہا ان سے لکھوا لاؤ۔ عبداللہ بن عمر نے
امام حسن ؑ سے کہا اگر آپ سچے ہیں تو لکھ دیجئے۔ امام حسن ؑ نے لکھ دیا وہ نوشتہ
باپ کے پاس لائے تو انھوں نے کہا۔ اس کو میرے کفن میں رکھ دینا یہ سند
غلامی اہل بیت ضمانت جنت ہے۔
جب نسلی تقدیس میں حضرت عمر کو خود اپنی بے مائیگی کا اعتراف تھا
اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہی معیار خلافت تھا بالکل اسی طرح جیسے
مسلمان بلکہ یہود و نصاریٰ بھی نسبی برتری شرائط نبوت میں سمجھتے ہیں
یعنی بد نسلا اور بد قوما آدمی نبی نہیں ہو سکتا تو پھر یہ سمجھنا کہ وہ علی کے
مقابلہ میں ابوبکر و عمر و عثمان کی خلافت کو برحق سمجھتے تھے کسی طرح
ان کی منطق نفسی سے مطابقت نہیں رکھتا۔
بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ اثنا عشری شیعہ تھے
چنانچہ علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں :-

منصور سے ملنے کے لئے امام جعفر صادق تشریف لانے والے تھے حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو بلا کر یہ آرزو ظاہر کی کہ لوگ جعفر صادق کے علم سے بہت مرعوب ہو رہے ہیں۔ کیا آپ کچھ ایسے علمی سوالات تیار کر سکتے ہیں جن کے جواب میں انھیں دشواری پیش آئے امام ابو حنیفہ نے جیسا کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کے ان بزرگوں سے گہری عقیدت رکھتے تھے خصوصاً انھیں امام جعفر صادق کے متعلق تو امام سے یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ ان سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ آپ نے جن علماء کو دیکھا ہے ان میں سب سے بڑا فقیہ کس کو پایا تو کہتے ہیں کہ امام نے جواب میں فرمایا کہ :۔

ما رائت افقہ من جعفر بن الصادق ۔ میں نے جعفر صادق سے زیادہ سمجھ والا فقیہ آدمی نہیں دیکھا امام کے اساتذہ کی فہرست میں لوگوں نے امام جعفر صادق کا نام بھی درج کیا ہے۔

یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ امام جعفر صادق کوفہ تشریف لائے تو امام ابو حنیفہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ان سے ملنے گئے دیکھنے والوں کا بیان ہے۔

قعد ابو حنیفہ کالمستوفز معظماً لہ ۔ یعنی بیٹھے امام جعفر صادق کے سامنے ابو حنیفہ ایک بے چین مرعوب آدمی کی طرح ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عظمت سے ان کا دل معمور ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو باوجود اتنی عقیدت مندیوں کے بظاہر یہی
معلوم ہوتا ہے کہ منصور پر اپنی ساکھ قائم کرنے کے لئے امام
نے چند ایسے مشکل سوالات مرتب کئے کہ منصور بھی پھڑک اٹھا
کہتے ہیں کہ چالیس مسائل شداد تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ
منصور کی علمی پرواز کے لحاظ سے ان سوالوں کی نوعیت
خواہ کچھ بھی ہو لیکن امام ابوحنیفہ چونکہ جعفر صادق کی
علمی گہرائیوں اور وسعت معلومات سے واقف تھے اس
لئے انھوں نے اس میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کیا کہ
حضرت کے سامنے ان سوالوں کو پیش کیا جائے بلکہ اندرونی
طور پر ممکن ہے کہ اس کو بھی امام جعفر صادق کی رفعت قدر
کا ذریعہ بنانا چاہتے ہوں جیسا کہ بعد کو ہوا۔
امام ابھی منصور کے پاس پہنچے بھی نہیں تھے حیرہ ہی
میں تھے کہ اس نے امام ابوحنیفہ کو ان کے پاس بھیجا۔ امام
کا بیان ہے کہ میں نے ان مسائل کو جو بھی ان کی خدمت
میں پیش کیا جیسی کہ توقع تھی ہر سوال کا جواب انتہائی
بسط و تفصیل کے ساتھ دیتے چلے جاتے تھے
چالیسوں مسئلے انھوں نے اس طور سے بیان
کر دیئے کہ کسی مسئلہ کے بیان میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوا
منصور کی جو غرض تھی وہ پوری نہ ہوئی لیکن امام ابوحنیفہ
کا مطلب پورا ہو گیا امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی صہ ۲۱۳ تا ۲۱۴
اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :-

لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں بار بار یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب حضرت صادق کو امام خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں جعلت فداک ۔ میں حضور پر قربان کیا جاؤں ۔ واللہ اعلم ائمہ اہل بیت سے اس زمانہ میں گفتگو کا یہ عام طریقہ تھا یا امام صاحب کی خصوصیت تھی [1] دیکھو موفق ص ۱۲۴

امام ابو حنیفہ کا یہ احترام اور اس درجہ عقیدت ان کے اس ماضی سے مربوط ہے جو ان کے دادا کے وقت سے اس خاندان سے چلی آرہی تھی اس کے ساتھ جب ہم اس تاریخی واقعہ کو ملا کے دیکھتے ہیں تو ہمیں خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ان کی رائے کا انکشاف ہو جاتا ہے ۔ ہم اس کو ہرگز نہ لکھتے لیکن چونکہ علامہ شبلی سیرۃ النعمان میں لکھ چکے ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا اس لئے اس کو نقل کر دینے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا وہ لکھتے ہیں :

امام صاحب کے محلہ میں ایک پنہارا رہتا تھا جو نہایت

---

[1] امام ابو حنیفہ سے اس وقت کے اور ائمہ حدیث سے ملاقات کا ذکر بعض تاریخوں میں ملتا ہے اور وہ کسی سے مرعوب نظر نہیں آتے بلکہ برابر سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں بخلاف اس کے امام جعفر صادق جو ان سے تین برس چھوٹے تھے ان کی عظمت سے اس طرح مرعوب ہونا بات بات پر جعلت فداک کہنا ان کی شاگردی قبول کرنا اس کی دلیل ہے کہ امام ابو حنیفہ انھیں ویسا امام نہیں سمجھتے تھے جو کسی فن کے ماہر کو کہا جاتا ہے بلکہ ان کی امامت وہ تھی جو حضرت ابراہیم کو ملی تھی ۔

متعصب شیعہ تھا اس کے پاس دو خچر تھے۔ تعصب سے
ایک کا نام ابو بکر دوسرے کا نام عمر رکھا تھا اتفاق سے
ایک خچر نے لات ماردی کہ اس کا سر پھٹ گیا اور اسی صدمے
سے وہ مر گیا۔ محلہ میں اس کا چرچا ہوا امام صاحب نے
سنا تو کہا۔ دیکھنا اس خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اس
نے عمر رکھا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا
ہی ہوا تھا۔ سیرۃ النعمان

امام ابوحنیفہ کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ ظلم اسی کی طرف سے
واقع ہوا ہوگا جس کا نام عمر ہے۔ یہ اگرچہ اتفاقی بات تھی اور امام ابوحنیفہ
نے بھی مزاحاً ایک بات کہہ دی لیکن اس سے ان کے دل کی چھپی ہوئی
بات ظاہر ہوگئی۔

شیعوں کی جن روایتوں سے ائمہ اہل بیت کی امام ابوحنیفہ سے ناراضی
کا پتہ چلتا ہے وہ یا تو اس وقت کی تھی جب وہ قیاس کرتے تھے یا اس وجہ
سے تھی کہ وہ زیدی شیعہ تھے اور شیعوں کا یہ فرقہ وہ ہے جو اپنے بعض واہی
اعتقادات کے ساتھ امام زین العابدین کو امام نہیں مانتا۔ ظاہر ہے کہ ایسا
شخص ائمہ اہل بیت یا دوسرے فرق شیعہ کی نظر میں کس طرح پسندیدہ
ہو سکتا ہے؟

فقہ حنفیہ

جو فقہ حنفی آج ہمارے سامنے ہے وہ مجموعہ ہے قانون روم آئین ایران اور ان اسلامی قوانین کا جن میں سے بعض اپنی اصل سے بھی ہٹے ہوئے ہیں ان کا امام ابو حنیفہ سے کوئی تعلق نہیں انھوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ مفقود ہو چکا۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں :۔

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُن کے نام یہ ہیں :۔ فقہ اکبر، العالم والمتعلم، مسند

جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود ضروری سمجھتے ہیں وہ انھیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جس کے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جابجا ملتے ہیں لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا

امام رازی نے مناقب شافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی

شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں جن کے مصنفوں

نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو
پہلے دو طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں
اور مجموعوں میں پائی جاتی ہیں ان لوگوں نے ان کو بلند نام کرنا چاہا
بے شبہ ہماری رائے یہی ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں
سیرۃ النعمان ص ۱۴۳ تا ۱۵۱

علامہ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں :—
امام صاحب کی فقہ کی معرفت اور ادراک نہایت کٹھن منزل
ہے کیونکہ انھوں نے فقہ میں از خود کوئی کتاب نہیں لکھی امام ابو حنیفہ ص ۲۳۵
یہ بتایا جا چکا ہے کہ فن فقہ میں امام صاحب کی کوئی تالیف موجود نہیں
یہ بات امام صاحب کے عہد و رواج

و رسم کے عین مطابق ہے امام ابو حنیفہ ص ۲۳۷
حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب تعجیل المنفعت میں لکھتے ہیں
مسند ابی حنیفہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں —
موجودہ مسند محمد الحارثی نے جمع کیا ہے
حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں :—
حسن بن زیاد لؤلؤی کی روایت کو الشیخ قاسم بن قطلوبغا
نے بروایت حارثی جمع کر کے اس کا نام مسند رکھ دیا ہے
جو دو جلدوں میں ہے اس پر قاسم بن قطلوبغا کے حواشی
بھی ہیں امام ابو حنیفہ ص ۳۴۲
امام صاحب کی فقہ سے متعارف ہونے کا ذریعہ صرف تلامذہ ہیں امام ابو حنیفہ ص
اور ان کے تلامذہ نے قیاس و استحسان کو ان کی طرف نسبت

دے کے جو کچھ لکھا ہے اس سے قیاس و استحسان کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں ان کے تلامذہ نے اس سے کام لیا لیکن ابو زہرہ کو اس میں شک ہے کہ جس طرح ان کے تلامذہ کہتے ہیں وہی ابو حنیفہ کا بھی اصول تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

امام کے تلامذہ نے جو اقوال نقل کئے ہیں وہ ماسوائے اثر منقول یا خبر مشہور یا فتوئ صحابی یا قول تابعی کے تمام دلائل سے خالی ہیں شاذ و نادر ہی استحسان کا ذکر کیا گیا ہے ہاں صرف وہ اقوال جو امام یوسف نے بیان کئے ہیں ضرور مدلل ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔

بلاشبہ اس طرز تدوین سے ہم ان کے قیاس کی اصلی شکل میں دیکھنے سے محروم ہو گئے حالانکہ وہ اپنے دور میں بہت بڑے ماہر قیاس تھے

جب ہم امام محمد کی کتاب پڑھتے ہیں تو شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مقام آتا ہے جہاں قیاس کی علت بیان کی گئی ہو تو پھر امام صاحب کے وہ استحسانات کہاں گم ہو گئے۔۔

بلاشبہ ان رخنوں کی موجودگی میں ہم صحیح طور پر امام صاحب کی دراست فقہ نہیں کر سکتے نہ اس پر کوئی عمارت قائم کر سکتے ہیں۔ ہاں ان کے اصحاب کے بعد جو لوگ آئے انھوں نے استدلال سے کام لیا احکام سے اقسیہ کا استخراج کیا۔۔۔۔

مگر ہم کو یہ کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ جو استدلال یہ بیان

کرتے ہیں اسی طرح امام بھی غور وفکر کرتے تھے اور اسی

طرح انھوں نے احکام مستنبط کیے تھے امام ابوحنیفہ ص ۲۴۶

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جگہ لکھ دیا

ہے کہ امام ابوحنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے

مسلک کے پابند تھے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ ابراہیم نخعی اور

ان کے اقران شیعہ تھے

علامہ ابوزہرہ نے شاہ ولی اللہ صاحب کا دعویٰ یہ کہہ کے رد کیا ہے کہ

کتب ظاہر الروایۃ میں جو کچھ ہے وہ مذہب

ابوحنیفہ ہے اور ان کتابوں کا معمولی حصہ بھی نخعی کے

طریق پر نہیں ص ۳۹۱

یہ تو ہم کو بھی تسلیم ہے کہ ان کتابوں کا کوئی حصہ نخعی کے طریق پر نہیں

اسی لئے ہم اسے امام ابوحنیفہ کا مذہب نہیں کہتے۔ ابوزہرہ خود اقرار

کر چکے ہیں کہ یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ جو استدلال ان کے تلامذہ کرتے

ہیں اسی طرح امام صاحب بھی غور وفکر کرتے تھے یہ مسلم ہے کہ ان کی طرف

بہت سی ایسی باتیں منسوب کر دی گئیں جن کو ان سے کوئی واسطہ نہیں

چنانچہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:—

قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے

امام صاحب کو اس سے کچھ واسطہ نہیں ہے امام رازی

نے مناقب الشافعی میں اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر

امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا بلکہ اصحاب ابوحنیفہ لکھا ہے

معلوم ہوا کہ اصحاب ابوحنیفہ نے جو کچھ کیا وہ ان کی طرف منسوب کر دیا

امام ابوحنیفہ کا قیاس سے انکار | قیاس جو فقہ حنفیہ کا امتیاز ہے

امام ابوحنیفہ اس کے منکر تھے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جو گفتگو شبلی نعمانی نے لکھی ہے اس میں امام ابوحنیفہ نے قیاس کا سرے سے انکار کیا ہے۔

اگر شیعوں کی روایتوں کو دیکھا جائے تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ شروع میں قیاس کرتے تھے۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کی تنبیہ کے بعد انھوں نے اس سے توبہ کرلی۔ یہی بات قرین قیاس ہے۔ کیونکہ وہ شروع میں اہل الرائے مشہور اور ہدف اعتراض ہے۔ اس کو جب ہم محمد ابوزہرہ کے اس قول سے ملا کے دیکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے اقوال میں قیاس و استحسان شاذ ہے تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ شاذ اقوال ابتدائی ہیں۔ لیکن ابویوسف کے ہاتھ یہ گُر لگ گیا۔ اور انھوں نے اس کی بنیاد پر ایک فقہ بنا کے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر دی۔

شبلی النعمانی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ :۔

> اس موقع پر بہت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ ان سے ثابت بھی ہیں یا نہیں سیرۃ النعمان ص ۲۲۰

یقیناً بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا تھا اور ان کے اساتذہ سے جو انھیں ملا تھا وہ مجموعہ ابراہیم نخعی کے طریق پر تھا جس میں حضرت علی سے منقول احکام درج تھے۔ ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ

وہ حضرت علی کو رسول کے علم کا سب سے زیادہ حامل اور عامل جانتے تھے اور ان کے قول کے مقابلے میں کسی کے قول کو نہیں مانتے تھے چنانچہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

حضرت علی بچپن سے رسول کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جس قدر ان کو آنحضرت کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیوں ہیں۔ فرمایا کہ میں آنحضرت صلعم سے دریافت کرتا تو فرماتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے اس کے ساتھ ذہانت، قوت استنباط اور ملکہ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمر کا عام قول تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علی موجود نہ ہوں۔ عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی کا کوئی قول مل جائے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں (سیرۃ النعمان صفحہ ۲۴۹)

یہ وہ رائے ہے جو عموماً تمام صحابہ کی تھی۔ یہی مسلک ابراہیم نخعی کا تھا اس سے پہلے شبلی نعمانی کا یہ قول آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے حضرت علی کے فتووں کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ ابراہیم کے بعد ان کے جانشین ابوحنیفہ ہوئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ قول بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابوحنیفہ ابراہیم نخعی کے مسلک پر تھے۔ ابراہیم کے بعد ابوحنیفہ نے جو کچھ کام کیا اسے بھی ابراہیم نخعی کے طریق پر ہونا چاہیے کیونکہ خود ابوحنیفہ انہیں

انفقہ فی الدین سمجھتے تھے اس کے علاوہ خود ابو حنیفہ کو حضرت علی اور ان کی اولاد سے بے انتہا عقیدت تھی ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ مجموعہ حضرت علی کے اقوال کا تھا جس کی صریحی شہادتیں او پر گذر چکیں شبلی النعمانی لکھتے ہیں :۔

وہ نسخہ معدوم ہو گیا اس زمانہ کے ہزاروں تصنیفات کے نام تراجم میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں. خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری، اوزاعی، حماد بن سلمہ ہشیم معمر جریر بن عبد الحمید، عبد اللہ بن مبارک نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج ان کا نام رہ گیا اور ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۶

اس عصر کی کتابوں کے ضائع ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ دینی نسخوں میں منحصر تھیں کس مپرسی کے عالم میں پڑی رہیں کچھ دنوں کے بعد مفقود ہو گئیں لیکن قاضی ابو یوسف کی کتابیں حکومت کی سرپرستی ہونے کی وجہ سے ضائع نہیں ہوئیں۔ اگر قاضی صاحب امام ابو حنیفہ کے مجموعہ فتاوی پر اکتفا کرتے تو وہی ملک کے قانون کی حیثیت سے باقی رہتا لیکن یہ حکومت کی پالیسی کے خلاف تھا اسے فقہ اہل بیت کے مقابلہ میں ایک فقہ کی ضرورت تھی اس لئے وہ مجموعہ ضائع کر دیا گیا اور ایک نئی فقہ وجود میں آئی جس کا تعلق نہ امام ابو حنیفہ سے ہے نہ اسلام سے۔ وہ رومی، ایرانی اور اسلامی قانون کا مجموعہ ہے جس میں اسلامی عنصر بہت کم ہے

فقہ حنفیہ میں قانون روم

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:-

بعض یورپین مصنفوں کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی قانون روم سے بہت کچھ مدد لی ہے ـــــ اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں ہیں جو عرب اور عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن یہ فقہ حنفیہ کی خصوصیت نہیں یہ سلسلہ او آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کیے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں انکا ذکر ہے ان میں متعدد ایسے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں معمول بہ متداول تھے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں ان کی تفصیل بھی کی ہے حضرت عمر نے خراج ٹیکس سے متعلق جو قاعدے مقرر کئے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیرواں عادل نے اپنے زمانہ حکومت میں وضع کیے تھے اور یہ کچھ توارد نہ تھا بلکہ حضرت عمر نے دانستہ نوشیرواں کی اقتداء کی تھی چنانچہ طبری اور ابن الاثیر نے صاف الفاظ میں تصریح کی ہے۔

ایک شخص جب کسی ملک کے لئے قانون بناتا ہے تو ان تمام احکام ورسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اس ملک میں اس سے پہلے جاری تھے ان میں سے بعض کو بعینہ اختیار کر لیتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے بے شبہ امام ابوحنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور ان کی زبان مادری فارسی تھی دوسرے ان کا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا

سیرۃ النعمان ۲۹

علامہ شبلی نے فقہ حنفیہ میں روم و ایران کے قوانین کے جواز میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت عمر نے بھی نوشیروان عادل کی اقتدا کی اور اس کے بہت سے قانون داخل اسلام کیے اور خدا نے عرب جاہلیت کے بہت سے رسم اسلام کا جزو بنا دیے

حضرت عمر کے بارے میں تو ہمیں ان کی رائے سے اتفاق ہے لیکن دوسرے جزو سے شدید اختلاف اور سخت تعجب ہے کہ ان کے ایسے وسیع النظر شخص نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ زمانہ جاہلیت میں شریعت ابراہیمی کے بہت سے احکام باقی تھے مثلاً نکاح، طلاق، مہر، جہیز، ولیمہ، ختنہ، حج، قربانی، مہمان نوازی، وفائے عہد، سخاوت وغیرہ۔ حشر و نشر، ثواب و عقاب کا تصور بھی تھا اولاد اسمعیل نے کبھی نبوت سے انکار نہیں کیا بت پرست و موحد سب اللہ کو رب الارباب مانتے اور اللہ خدا کا اسم ذات جانتے تھے ان باتوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں انھیں اسلام نے دور کر دیا اور باقی تمام باتیں باقی رکھیں کیونکہ وہ اسلامی تھیں انھیں جاہلیت کے رسم کہنا اسلام ناشناسی ہے خود قرآن میں ہے،

شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقو

ہم نے تمہارے لیے وہی قانون بھیجا ہے جو نوح و ابراہیم اور موسیٰ، عیسیٰ کو بھیجا تھا اس دین پر قائم رہو اور تفرقہ نہ پیدا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے

ان ھٰذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسٰی۔

یہ باتیں جو تمھیں بتائی جا رہی ہیں ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں موجود ہیں۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ خدا نے عرب جاہلیت کے رسم داخل اسلام کیے تو اس کے معنی یہ کب ہو سکتے ہیں کہ جو شخص جس قسم کا قانون چاہے اسلام میں داخل کر دے

فقہ حنفیہ کی تاسیس کے اسباب

گذشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ مسلمان امام جعفر صادق علیہ السلام کے گرویدہ تھے ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ کی یہ شان تھی کہ لوگ انہیں انبیاء و مرسلین کا خلاصہ سمجھتے تھے۔

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الابرار عمر بن المقدام سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے:۔

جب میں امام جعفر صادق ع کو دیکھتا تو یہ خیال کرتا تھا کہ یہ انبیائے کرام کے سلالہ وجوہر ہیں۔

داؤد طائی اپنے وقت کے بڑے عابد و زاہد تھے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ ارشاد فرمانے کی خواہش کی امام نے خوف الہٰی کے متعلق چند کلمات کہے۔ داؤد کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور کہا:۔

اللہ اکبر یہ جس شخص کا گوشت پوست خون اور ہڈیاں نبوت سے ظہور میں آئی ہوں جس کا نانا رسول خدا اور ماں فاطمہ زہرا ہو وہ اس قدر خوف قیامت سے ہراساں ہے۔

دو چار دن آپ گھر سے باہر نہیں نکلے سفیان ثوری آئے اور عرض کی۔ فرزند رسول آپ کے ارشادات سننے کے لئے خلق خدا بے چین ہے آپ نے کیوں گوشہ عزلت اختیار کرلیا ہے

انوار الاولیاء

امام ابو حنیفہ کے متعلق آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ جب خدمت امام میں حاضر ہوئے تو ان کے سامنے ایک ایسے بے چین شخص کی طرح بیٹھے تھے جو یہ محسوس کر رہا ہو کہ تعظیم کا حق ادا نہیں ہو رہا ہے باوجودیکہ

امام ابوحنیفہ سن میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بڑے تھے۔ اس گرویدگی کی وجہ صرف امام کی شرافت نسبی نہ تھی بلکہ ذاتی کمالات تھے۔

امام ابوحنیفہ کا قول آپ کی نظر سے گذر چکا ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں :۔

میری آنکھوں نے علم و فضل اور ورع و تقوئی میں حضرت امام جعفر صادق بن محمد سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا وہ اللہ کے بہت بڑے بندوں میں سے اور بہت بڑے عابد و زاہد تھے خدا سے بے انتہا ڈرتے تھے بے انتہا احادیث بیان کرتے تھے ان کی مجلس بڑی پاک اور کثیر الفوائد تھی ان کی صحبت سے بے انتہا فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔

شیخ کمال الدین بن طلحہ شافعی کہتے ہیں :۔

آپ مختلف قسم کے علوم سے معمور ہیں — مطالب السؤل

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں :۔

علماء نے آپ سے اس قدر علوم حاصل کیے ہیں جس کی کوئی حد نہیں ہے — صواعق محرقہ

مولانا عبدالرحمن جامی تحریر فرماتے ہیں :۔

آپ کے علوم کی کثرت لنداد کا احاطہ کرنے سے انسانی فہم و ادراک عاجز ہیں۔ — شواہد النبوۃ

مومن شبلنجی کا بیان ہے کہ :۔

آپ کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ کوئی شمار کرنے والا

انھیں گن نہیں سکتا اور بے حد شمار کرنے والا اگر لکھنے لگے

نور الابصار

تو حیران ہو جائے
یوں تو آپ کے بے شمار شاگرد تھے لیکن فقہ و حدیث اور تفسیر میں
ابان بن تغلب کو امتیاز حاصل تھا ان کو ۳۰ ہزار حدیثیں تھیں انھیں کی
محدثین نے نشر و اشاعت کی جن سے آج دین زندہ ہے۔
فلسفہ، سائنس، ریاضی، طب، نجوم میں آپ کے خاص شاگرد
جابر بن حیان صوفی تھے ان کو ایک ہزار ورق کی ایک کتاب لکھوائی وہی
موجودہ سائنس کی بنیاد ہے۔
قفطی نے اخبار الحکماء میں اندلسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :-
میں اصطرلاب پر جابر بن حیان کی ایک تصنیف دیکھی تھی
جس میں ایک ہزار مسائل پر بحث تھی۔
میرا خیال ہے کہ ایک ہزار مسائل میں تسامح ہوا ہے یہ ایک ہزار ورق
ہیں اس کی تائید علامہ یافعی کے بیان سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ امام
جعفر صادق ع نے توحید و دیگر مسائل پر نہایت عمدہ رسالے تحریر کیے
ہیں آپ کے شاگرد جابر بن حیان صوفی نے ایک کتاب میں جس کے ہزار
ورق ہیں آپ کے پانچ سو رسالے جمع کیے ہیں۔ جابر بن حیان کا دعویٰ ہے
کہ ساری کائنات میں ایسا کوئی شخص نہیں جو امام کی طرح سارے علوم
پر بول سکے۔
پروفیسر محمد مسلم ہسٹری آف عربک لٹریچر مولفہ پروفیسر
CLEMENHUART پیرسی مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء ص ۳۱۳
کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

علم کیمیا پر اس نے (جابر بن حیان) کئی سو رسالے لکھے ہیں جن میں ستائیس رسالے زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہے ان میں سے اکثر لاطینی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ ہو کر ۱۴۷۳ء اور ۱۷۱۰ء کے درمیان نورمبرگ فرینکفرٹ اور سٹراسبرگ (بلاد جرمنی) میں شائع ہوئے۔ اس کی چند تصنیفیں اصل عربی میں بھی لیڈن (ہالینڈ) کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ فرانسیسی مستشرق کراڈی وا کا بیان ہے کہ ہمارے کتب خانہ میں جابر کی بائیس تصنیفیں عربی میں موجود ہیں۔ ان میں سے پانچ چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ کتاب الموازین الصغیر۔ کتاب الملک۔ کتاب الرحمۃ کتاب الجر شق الشرقی۔ کتاب التجمیع۔

جابر نے الکیمیا کے خشک اور چھوٹے پودے کو سینچ کر سرسبز و شاداب کیا۔ اس میں نئی کونپلیں پھوٹیں اور تناور درخت بنا۔ آج آپ جدید کیمسٹری کی صورت میں جو کچھ دیکھتے ہیں اسی پودے کے برگ و بار جابر ہی کی آبیاری کا نتیجہ ہیں۔ یہ واقعہ نفس الامر ہے کہ وہ موجودہ کیمسٹری کا بانی تھا۔ AQUA REGIA نائیٹرک و ہائیڈرو کلورک ایسڈ اس نے ایجاد کئے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ تیزاب اعمال کیمیا دی کے لئے کس قدر عظیم بالشان مسالے ہیں گیس اور اس کی ماہیت اس نے دریافت کی کاسٹک پوٹاش۔ امونیا سالٹ۔ جر جہنم (سلور نائٹریٹ) راسب احمر یعنی RED OXIDE OF MERCURY تقطیر۔ ترشیح تصعید۔ تبلور و تکثیف وغیرہ کے اصول سب سے پہلے اس نے قائم کئے۔

رسالہ نگار جولائی ۱۹۶۷ء

مشہور فرانسیسی مورخ موسیو لیبان تمدن عرب میں لکھتا ہے

جابر نے تیزاب فاروقی ایجاد کر کے سائنس کی بنیاد قائم کی۔

تیزاب فاروقی کو اعمال کیمیا وی میں جو اہمیت حاصل ہے اسے اس فن کے جاننے والے جانتے ہیں۔

علم معرفت میں آپ کے شاگرد سفیان ثوری ہیں لیکن آپ نے آخر میں ان سے ناراضی کا اظہار فرمایا اور اپنے یہاں آنے کی ممانعت کر دی۔ بعض تاریخوں میں ناراضی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ سلاطین و امراء کے یہاں آنے جانے لگے تھے۔

آپ کے شاگرد مدینہ، مکہ۔ طائف، یمن، کوفہ، بصرہ، اہواز شام، جبل عامل، خراسان وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے اور نشر دین میں مشغول تھے۔ دروازے پر خلائق کا ہجوم رہتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ رسول خدا رحلت فرما گئے لیکن ان کی مسند پر معلم کتاب و حکمت اور متمم مکارم اخلاق موجود ہے۔ علم الدوا فقی کی تلاش ہے تو اس کے در پہ چلو۔ تفسیر قرآن معلوم کرنا ہو تو اس کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ رموز معرفت جاننا چاہو تو اس کے آستانے پر بیٹھ جاؤ۔ کیمسٹری، طب اور نجوم سیکھنا چاہو تو اس کی خدمت میں باریابی حاصل کرو رسول کے اخلاق دیکھنا ہوں تو اس کے نشست و برخاست کو دیکھو خوف خشیت الہٰی کا نمونہ دیکھنا ہو تو اس کی عبادت کو دیکھو۔ اس لئے دنیا ٹوٹی پڑتی تھی۔ کوئی سمجھتا کہ یہ انبیا کے سلالہ وجوہر ہیں۔ کوئی کہتا تھا کہ ان کی ہڈیاں اور گوشت پوست نبوت سے پیدا ہوا ہے یہی وہ گردید گی تھی جس نے منصور کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی کوشش تھی علمی میدان میں ان کو شکست دی جائے۔ آپ پڑھ چکے

ہیں کہ اس نے امام ابو حنیفہ سے خواہش کی کہ وہ ایسے سوالات مرتب کریں جن کے جواب میں امام علیہ السّلام عاجز ہوں اور اس کو شہرت دی جائے لیکن معاملہ برعکس ہو گیا۔

منصور کے لئے ایک یہ بھی دشواری تھی کہ حکومت ایک مدون قانون کی متقاضی تھی جس کی بنا پر قاضی فیصلے اور مفتی فتوے صادر کرسکیں۔ اس کو اندیشہ تھا کہ اگر قاضیوں اور مفتیوں کو کھلے بندوں چھوڑ دیا گیا تو فیصلوں اور فتووں میں اہل بیت سے تمسک کیا جانے لگے گا اس لئے ضرورت تھی کہ انھیں ایک قانون کا پابند بنا دیا جائے اور ایسے فقہاء کی تلاش تھی جو امام جعفر صادق کے مقابلہ میں ایک فقہ مدون کردیں اور دوسرے معاملات میں بھی خلیفہ کی مرضی کا خیال رکھیں۔ یہ روش بنی امیہ کے زمانہ سے چلی آرہی تھی جیسا کہ مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

جن معاملات سے ان بادشاہ قسم کے خلفاء کو سیاسی اسباب یا ذاتی مفاد کی بنا پر دلچسپی ہوتی تھی ان میں انصاف کرنے کے لئے عدالتیں آزاد نہ تھیں ــــــــــــــ اس زمانہ میں صالح علماء بالعموم قضا کا منصب قبول کرنے سے انکار کرتے تھے خلافت و ملوکیت ص ۱۶۸

اس کے بعد بنی عباس کے زمانے کی حالت بیان کرتے ہیں:۔

عدلیہ پر خلیفہ اور اس کے قصر اور امراء اور متوسلین کا دباؤ بھی ویسا ہی رہا جیسا بنی امیہ کے عہد میں تھا خلافت و ملوکیت ص ۱۹۵

چنانچہ بنی امیہ کے زمانہ ہی میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے

جنھوں نے حکومت کا رجحان دیکھ کے اجتہاد شروع کیا اور اس کی بنیاد سالم و عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر سے قائم کی علی اور ان کی اولاد کو نظرانداز کردیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے مسوّی کے مقدمہ میں اس کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں :۔

ان (امام مالک) کی فقہ کی بنیاد آنحضرت کی حدیث ان کے بعد فتاوائے عمر بعد ازاں بر فتاوائے سائر صحابہ و فقہائے مدینہ سعید بن مسیب و عروہ بن زبیر و قاسم و سالم و سلیمان بن یسار و ابو سلمہ و عبدالرحمن بن ابوبکر و ابن عمر و عمر بن عبدالعزیز

منقول از سیر ائمہ اربعہ

انھیں دو اصولوں پر امام مالک فتاوئی کا جواب دیتے تھے ص ۲۸۱

اس فہرست میں علی اور ان کی اولاد کا ذکر نہیں۔ امام مالک نے تو خیر حق شاگردی میں امام جعفر صادق سے بھی حدیثیں موطا میں لکھی ہیں لیکن اموی دور کے تمام فقہاء و محدثین حکومت وقت کا مزاج پہچانتے ہوئے اہل بیت سے انحراف کر کے اسی مذکورہ بالا سلسلہ کے پابند ہو گئے تھے۔ اوزاعی۔ مکحول شامی۔ ابن شبرمہ۔ ابن ابی لیلیٰ۔ داؤد بن ہند وغیرہ اسی طرح کے لوگ تھے ان میں سے ہر ایک صاحب فتویٰ اور امام وقت ہونے کا مدعی تھا لیکن یہ اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ تھا۔ ایک منظم حکومت کے لئے ایک مدون قانون کی ضرورت تھی جو پورے ملک میں نافذ ہو سکے۔ اس ضرورت کو ارباب حکومت سختی سے محسوس کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ اس طائفۃ الفقہیہ کو ختم کر کے ایک کی

اجارہ داری قائم کردی جائے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کو منصور اچھی طرح آزما چکا تھا، کسی طرح ان کے ہاتھ نہیں آسکتے تھے اس لیے ان کی مضرت کو بھی دور کرنا تھا کیونکہ وہ علی و اولادِ علی کو مستحق خلافت اور بنی امیہ و بنی عباس کو غاصب و ظالم کہتے تھے اور اس سے عدم تعاون پر اٹھے ہوئے تھے لہٰذا اس نے امام ابوحنیفہ کا خاتمہ کرا دیا۔

اوزاعی، مکحول، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، داؤد بن ہند بنی امیہ کے مقرب تھے۔ اگرچہ وہ حکومت سے منسلک ہو گئے تھے لیکن عباسی خلفاء انھیں اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

سفیان ثوری وغیرہ اس ڈھب کے آدمی نہیں تھے۔ عبداللہ بن شریک ایک مشہور محدث اور متقی آدمی تھے لوگوں میں ان کا بڑا اعتبار تھا۔ اگرچہ ان کے اجتہاد کا مدار اقوال اہلبیت پر تھا تاہم یہ امید تھی کہ اگر وہ ہاتھ آگئے تو ممکن ہے اپنا رخ بدل دیں چنانچہ منصور ایسے خلیفہ نے پہلے ان کی دعوتیں کیں اور اپنے باورچی خانہ سے انڈے کا حلوہ اور عمدہ غذائیں ان کے یہاں بھیجنے کا التزام کیا اس طرح ان کو نرم کر کے چند روز کے بعد عہدۂ قضا پیش کیا انھوں نے اس شرط پر قبول کرنے کا وعدہ کیا کہ کسی معاملہ میں خلیفہ اور امراء دخل نہ دیں گے منصور نے منظور کرلیا لیکن نباہ نہ سکا اور انھیں اپنی مرضی پر چلنے پر مجبور کیا قاضی شریک نے استعفیٰ دے دیا۔ اس نے کوفہ کے ایک اور محدث حجاج بن ارطاۃ کو قاضی بنایا انھوں نے دل کھول کے منصور کے منشاء کو پورا کیا لیکن انھیں سوجھ نہ تھی ان کا اعتبار عوام سے اٹھ گیا رشوت لینے کی خبریں

مشہور ہوئیں اور بغداد کی جامع مسجد قبلہ سے منحرف بنوا دی اس طرح منصور کی توقع انھوں نے خاک میں ملا دی۔ پھر پھر کے امام مالک پر نظر پڑتی تھی چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

سلطنت عباسیہ اور حنفی مدرسہ فکر کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو چکے تھے۔ المنصور سے لے کے ہارون الرشید کے ابتدائی عہد تک سلطنت کا رجحان یہ رہا کہ اس مدرسہ فکر کے اثر کی مزاحمت کی جائے اور اسی بنا پر منصور اور اس کے جانشین یہ کوشش کرتے رہے کہ ملک کے نظام کا جو خلا ایک معین قانون ہنگ۔ رہا ہے اسے کسی دوسری تدوین سے بھرا جائے۔ اس غرض کے لئے المنصور اور مہدی نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں امام مالک کو سامنے لانا چاہا اور ہارون الرشید نے بھی سنہ ۱۷۴ھ ۷۹۱ء میں حج کے موقع پر یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی کتاب الموطا کو ملک کا قانون بنا دیا جائے خلافت و ملوکیت صفحہ ۲۷۹

حج کے موقع پر تمام عالم اسلامی کے مسلمان جذبہ ایمان لئے ہوئے حرم کعبہ کے طواف کو آتے اور اپنی سال بھر کی دینی مشکلوں کو جوان کو دینی زندگی میں پیش آتی تھیں حل معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اہل بیت رسول بھی وہاں موجود ہوتے تھے تو خلافت کی طرف سے اعلان کیا جاتا کہ سوائے امام مالک احمد ابن ابی ذئب کے کوئی فتویٰ نہ دے۔ سیرت ائمہ اربعہ میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے :۔

موسم حج جبکہ تمام دنیائے اسلام کو ایک عرصہ عرفات میں

جمع کر دیتا تھا اور تمام علمائے دین کوفہ، بصرہ، خراسان وغیرہ سے سمٹ سمٹ کر ایک حرم مکہ میں جمع ہو جاتے تھے تو حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ امام مالک اور ابن ابی ذئب کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دے ص ۲۸۱

منصور نے امام مالک کو حاصل کرنے کے لیے پہلے اپنے گورنر سے درّے لگوائے اور قید کر دیا اس کے بعد انھیں رہا کر کے حج کے لیے مکہ آیا وہاں سے مدینہ پہنچا اور امام مالک پر خوب روغن قاز ملا۔ خود امام مالک کا بیان ہے:

جب منصور مدینہ میں تھا میں اس کے پاس پہنچا۔ ابوجعفر گدے پر بیٹھا تھا مجھے بھی اپنے پاس بٹھا لیا اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک بچہ ہے جو کبھی باہر آتا ہے پھر اندر چلا جاتا ہے ابوجعفر نے کہا تم جانتے ہو یہ بچہ کون ہے۔ میں نے کہا نہیں ابوجعفر نے کہا یہ میرا لڑکا ہے آپ کی ہیبت اور رعب سے اس کی یہ حالت ہو رہی ہے جو گھبرا کر کبھی اندر جاتا ہے کبھی باہر آتا ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کچھ علمی مسائل دریافت کیے۔

میں نے فتویٰ دیا۔ آخر میں میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے

انت واللہ اعقل الناس واعلم الناس

یہ سن کر میں نے کہنا شروع کیا

لا واللہ یا امیر المومنین

لیکن اس پر بھی ابوجعفر یہ کہتا جاتا ہے کہ نہیں تم ضرور سب سے بڑے دانشمند ہو اور سب سے بڑے عالم ہو

مگر اپنے آپ کو چھپاتے ہو
اگر میں زندہ رہا تو تمہارے اقوال کو قطعاً لکھوا کر رہوں گا
اور اپنے تمام صوبوں میں بھیج کر حکم دوں گا کہ لوگ
اس کے مطابق عمل کریں ۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص۲۲۶
امام مالک منصور کا مطلب سمجھ گئے کہ اس پردے میں کس کے
اقوال سے روکنا مقصود ہے لیکن یہ معاملہ دین کا تھا اس حکم سے کوئی
فائدہ نہ ہوگا اور لوگوں کا عمل ان کے طریقہ پر جاری رہے گا چنانچہ
انھوں نے اس کو سمجھایا :۔

آپ ہرگز ایسا نہ کیجیے ۔ دیکھیے مسلمانوں کے پاس اقوال
پہنچ چکے ہیں ۔ حدیثیں سن چکے ہیں اور روایتیں روایت
کر چکے ہیں ۔ لوگوں کے پاس جو بات پہلے سے پہنچ چکی ہے
اسی پر وہ عمل پیرا ہو چکے ہیں اور اسی کو اپنا دین بنا چکے
ہیں پس جس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں اختیار
کر لی ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے ۔ میزان الکبریٰ شعرانی
منقول از امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص۲۲۷

امام مالک نے جو نشیب و فراز دکھلائے تو منصور رک گیا اور یہ
معاملہ ٹل گیا ۔

چند روز کے بعد حکومت کی خوش قسمتی سے ایک اتفاقی حادثہ پیش آگیا
ابو یوسف جو اب تک حکومت سے نفور گوشۂ عافیت میں فقر و افلاس کی
زندگی گذار رہے تھے انھوں نے اپنی بیوی کے مکان کی ایک شہتیر نکال کر
بیچ ڈالی ۔ اس پر ان کی ساس نے بہت سخت سست کہا ابو یوسف پر

اس کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے حکومت کا عہدہ حاصل کرنے کی ٹھان لی
مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

شاید ابو یوسف بھی اپنے استاد کی طرح اپنی ساری زندگی حکومت سے عدم تعاون ہی کی روش پر گذار دیتے اگر ان کی معاشی حالت کچھ بھی درست ہوتی لیکن وہ ایک غریب آدمی تھے اور امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد ایک فیاض سرپرست سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ آخر میں افلاس نے نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ اپنی بیوی کے مکان کا ایک شہتیر تک انھوں نے بیچ ڈالا اور ان کی ساس نے اس پر کچھ اس طرح ملامت کی کہ ان کی غیرت اسے برداشت نہ کر سکی یہی سبب تھا جس نے انھیں سرکاری ملازمت کرنے پر مجبور کیا

خلافت و ملوکیت ص ۲۸۲

ظاہر ہے کہ جب انھوں نے حکومت کا عہدہ حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے اپنے کو اس پر آمادہ کر لیا کہ اب انھیں وہ سب کرنا ہے جو حکومت چاہتی ہے اور یہی وہ بات تھی جس پر کوئی محدث و فقیہ تیار نہ تھا اس وقت منصور مر چکا تھا مہدی خلیفہ تھا وہ اس سے ملے اور عہدہ کی خواہش کی اس نے شرقی بغداد کا قاضی بنا دیا اور وہ حکومت کے ساتھ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ عہدہ میں ترقی بھی ہوتی گئی۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایک مکمل فقہ تیار کر دی اور اس کو معتبر بنانے کے لئے امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا اور فقہ حنفی وجود میں آ کر حکومت عباسیہ کا قانون بن گئی اور پانچ سو برس تک اس کو حکومت کی سرپرستی حاصل رہی اس وجہ سے کثیر التعداد مسلمان اس کے پیرو ہو گئے ورنہ ابو حنیفہ کی نہ کوئی فقہ ہے

نہ وہ کسی مدرسہ فقہیہ کے بانی تھے۔ نہ انھیں اپنی زندگی میں کوئی ایسا امتیاز حاصل تھا۔ قاضی ابولیلیٰ ابن شبرمہ ابوحنیفہ اوزاعی مکحول شامی داؤد بن ہند سفیان ثوری سب برابر کے لوگ تھے اور محدثین میں ان کا شمار تھا۔ ان لوگوں کے اجتہادات کیوں عام نہیں ہوئے اور انھیں چار بزرگوں میں اجتہاد کیوں منحصر ہوگیا اگر آپ اس کی جستجو کریں گے تو ہر ایک کا ایک خاص سبب معلوم ہوگا جیسا کہ حنفی فقہ کے وجود کے اسباب وعوامل آپ نے دیکھے کہ ایک مدت کے بعد قاضی ابویوسف نے ابوحنیفہ کو امام اور مجتہد بنا دیا ورنہ کوئی انھیں جانتا بھی نہیں۔

مورخ ابن خلکان نے تو صاف کہہ دیا ہے:۔

ما کان فی اصحاب ابی حنیفہ	امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں
مثل ابی یوسف لولا ابو یوسف	ابویوسف کا مثل نہ تھا اگر ابویوسف
ما ذکر ابو حنیفہ	نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا

فقہ مالکی کس طرح وجود میں آئی

یہی حال فقہ مالکی کا بھی ہے۔ امام مالک ایک متقی اور پرہیزگار شخص تھے اور فتووں میں بہت محتاط تھے اکثر مسائل کے جواب میں لاادری کہہ دیا کرتے تھے۔ علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:۔

آج جس مذہب کو امام مالک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے امام مالک کی زندگی میں مدون و مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ سچ پوچھیے تو امام مالک کی یہ کوشش بھی نہیں تھی کہ مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں کو پیش نظر رکھ کے کتاب وسنت سے ان کے متعلق قوانین پیدا کیے جائیں

بلکہ جہاں تک حضرت والا کے حالات سے پتہ چلتا ہے آپ کا طریقہ یہ تھا کہ پوچھنے والے نے اگر پوچھا تو اپنی معلومات کی بنا پر جو جواب ان کے نزدیک ہو سکتا تھا وہ دے دیتے تھے بلکہ بسا اوقات آپ یہ بھی فرما دیتے تھے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس کا کیا جواب ہے۔ بیسیوں کے سوالات کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ امام مالک نے لا ادری یعنی ہم نہیں جانتے فرمایا

امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص۲۰

امام مالک کے شاگرد وہب بحوالہ تزئین الممالک ص۴۱ ابن ابو نعیم کہتے ہیں :- منقول از ائمہ اربعہ ص۲۲۲

اگر میں امام مالک کی لا ادری لکھتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں صرف یہی نہیں کہ امام مالک اکثر مسائل سے لاعلمی کا اظہار کرتے تھے بلکہ جن مسائل کا وہ جواب دیتے تھے ان کو بھی اگر کوئی لکھنا چاہتا تو منع کر دیتے اور فرماتے تھے مجھے خود نہیں معلوم کہ میں اس جواب پر قائم رہوں گا یا نہیں - وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے فتوے کتابی شکل میں مدون ہوں اور لوگ ان پر عمل کر کے اپنے عمل کا بار ان کی گردن پر رکھ دیں چنانچہ علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں :-

حضرت امام مالک نے اپنی زندگی میں اپنے اجتہادات کو باضابطہ کسی کتابی شکل میں مدون نہیں فرمایا بلکہ ان کے مشہور تلمیذ اشہب کے حوالہ سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ کسی سوال کا جواب امام نے دیا اشہب موجود تھے انہوں

نے چاہا کہ اس جواب کو قلم بند کرلیں مگر دیکھا کہ امام منع فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ لکھو مت میں نہیں جانتا کہ اس جواب پر آئندہ میں بھی قائم رہونگا یا نہیں۔ ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ منصور ان سے ایسی ہی خواہش کرتا ہے اور وہ منع کر دیتے ہیں کہ ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کو کسی قانون کا پابند بنایا جائے۔ اب آپ خیال فرمایئے کہ جس شخص نے نہ کوئی فقہ مدون کی نہ یہ چاہتا تھا کہ کوئی فقہ مدون کی جائے۔ اکثر سوالوں کے جواب میں کہہ دیتا تھا کہ میں نہیں جانتا۔ اس کے مرنے کے بعد ایک فقہ اس کے نام سے منسوب ہو گئی اور لطف یہ کہ کوئی سوال ایسا نہیں جس کا جواب اس میں نہ ہو۔ یہ ایک مکمل فقہ کس طرح مدون ہوئی اس کی روئداد بہت دلچسپ ہے جسے ہم آپ کو علامہ مناظر احسن گیلانی کی زبان سے سنوانا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں:-

قیروان (مغربی افریقہ) سے ایک صاحب اسد بن فرات پڑھنے کے لئے مدینہ امام مالک کے پاس آئے یہ بڑے ذہین آدمی تھے اور نوجوان۔ دماغ ان کا فطرتاً قانونی تھا امام مالک سے طرح طرح کے سوالات کرتے تھے جن کے امام عادی نہ تھے آخر ایک دن آپ نے فرمایا کہ یہ تو ایک زنجیر کے بعد دوسری زنجیر اس کی بنی پیدا ہوتی ہی چلی جائے گی ایسا ہوا تو کیا ہوگا اور یوں ہوا تو کیا ہوگا اور ان سے فرمایا کہ اپنے ذوق کی تشفی اگر چاہتے ہو تو عراق چلے جاؤ یعنی ابو حنیفہ کے شاگردوں کے پاس۔ اسد حسب ارشاد عراق پہنچے ـــــــ امام محمد نے پوری توجہ سے

ان کو پڑھانا شروع کیا ——— اسد نے اس عرصہ میں امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین کی مدونہ کتابوں کی نقلیں بھی حاصل کر لیں ان کو لے کر وہ مصر پہنچے اور امام مالک کے شاگردوں خصوصاً ابن القاسم سے انھوں نے ان ہی حنفی مذہب کی کتابوں کی روشنی میں امام مالک کے فتووں کو جمع کیا۔

امام مالک کے یہ فتوے کس طرح جمع ہوئے اس کا طریقہ ملاحظہ فرمایئے کرتے یہ تھے کہ سوال تو امام ابوحنیفہ کی کتابوں سے چنتے تھے اور جواب ابن القاسم امام مالک کے مذاق کو پیش نظر رکھ کر خود دیتے تھے اسے درج کر لیتے تھے ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۳۹۸

اس طرح امام مالک کی فقہ تیار ہوئی۔ لیکن ابتدا میں اس کی نسبت امام مالک کی طرف نہیں تھی بلکہ اس کو الاسدیہ کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک صاحب سحنون پیدا ہوئے انھوں نے الاسدیہ میں کچھ رد و بدل کر کے امام مالک کی طرف منسوب کر دیا۔ آج جو فقہ مالکی ہمارے سامنے ہے وہ الاسدیہ کا ترمیم شدہ نسخہ ہے جس کو سحنون نے ترمیم کیا۔ علامہ مناظر حسن گیلانی لکھتے ہیں :-

ابتدا میں اس کتاب کا نام الاسدیہ تھا بعد کو سحنون ایک مالکی امام نے اس میں کچھ رد و بدل کیا۔ مدونہ امام مالک کے نام سے اب بھی سحنون والا نسخہ متداول ہے۔

امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۳۹۹

یہ سب کیوں ہوا اور ایک فقہ امام مالک کے نام سے بنانے کی ضرورت

کیوں ہوئی اس کی وجہ بھی بالکل وہی ہے جو فقہ حنفیہ کے وجود میں آنے کی وجہ ہے،
اندلس کی اموی حکومت کو بھی ملک کے لیے ایک مدون قانون کی ضرورت
تھی فقہ اہل بیت کو نہ قبول کرنے میں تو اموی اور عباسی دونوں برابر تھے
لیکن فقہ حنفیہ بھی ان کے لئے قابل قبول نہ تھی کیونکہ وہ ان کے حریف کی حکومت
کا قانون تھی اس لئے انھیں اپنی ایک مخصوص فقہ چاہیے تھی ہوشیار اور ذہین
لوگوں نے حکومت کا رجحان معلوم کرکے ایک فقہ مرتب کر دی اور وہ
اندلس کا قانون بن گئی ۔ چنانچہ علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں :-

> خدا نے ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا کہ جنھوں نے امام مالک کے
> مذہب کو باضابطہ شکل میں مدون کر دیا اور ٹھیک جیسے مشرق
> میں عباسی حکومت حنفی مذہب کو اپنی حکومت کا قانون
> بنانے پر مجبور ہوئی اندلس کی اموی حکومت کے سلاطین
> کو خدا نے یہ توفیق دی کہ انھوں نے امام مالک کی فقہ
> کو اپنی مغربی حکومت کا دستور بنالیا (ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۴۰۲)

یہی حال فقہ حنبلی کا ہے امام احمد بن حنبل کی کوئی کتاب فقہ میں
نہیں ہے وہ محدث تھے جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ سب حدیث میں ہے۔
اگر وہ کوئی کتاب فقہ میں لکھتے اور فقیہ ہوتے تو ان کی اور کتابوں
کی طرح وہ کتاب بھی ہمارے سامنے ہوتی ۔ ایک مدت کے بعد لوگوں
نے ان کے نام سے ایک فقہ مدون کر دی جس کی داستان طولانی ہے
اور ہمارے موضوع سے متعلق نہیں اس لئے ہم اس کی طرف صرف
اشارہ کافی سمجھتے ہیں ۔

خاتمۂ کلام

اور

حضرت قاضی ابو یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بلاشبہ ہم نے قاضی ابو یوسف صاحب کی دیانت پر حرف رکھا ہے لیکن راوی کی دیانت کو پرکھنا ایسا اصول ہے جسے تمام فرقِ اسلامیہ نے ضروری قرار دیا ہے ورنہ روایتوں کے انبار سے حق کو نکالنا ممکن نہ رہے اس مجبوری سے بڑی معذرت کے ساتھ ہم عرض کرتے ہیں کہ خود ان کے زمانے میں اور ان کے بعد کے لوگوں نے ان کی دیانت سے انکار کیا ہے مورخین نے اس کی طرف بلیغ اشارے بھی کئے ہیں اور تصریح بھی۔ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں :۔

> اہل حدیث کے ایک گروہ نے اُن کی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی اور فروع مسائل میں احکام کی تفریع کرتے تھے ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے۔

آخری دو فقروں میں طبری نے ان کی دیانت کے چہرہ سے نقاب الٹ دیا علامہ جلال الدین سیوطی نے صاف صاف وہ واقعات لکھ دیئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کی مرضی کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

عن بن المبارک لما افضت الخلافۃ	ابن مبارک سے روایت ہے کہ
الی الرشید وقعت فی نفسہ جاریۃ	جب خلافت رشید کو ملی تو اس

من جوار المهدي فراودها على نفسها فقالت لا اصلح لك ان اباك قد طاف لي فشغف بها فارسل الى ابي يوسف فسأله اعندك في هذا الشئ فقال يا امير المومنين او كلما ادعت امة شيئا ينبغي ان تصدق لا تصدقها فانها ليست بمامونة"

کہ دل مہدی کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر آگیا اور اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اس نے کہا تمہارے لئے بہتر نہیں ہے تمہارا باپ مجھ پر متصرف ہو چکا ہے اس نے ابو یوسف سے پوچھا کہ تمہارے پاس اس معاملہ میں کچھ ہے انھوں نے کہا اے امیر المومنین کیا لونڈی جو بھی دعویٰ کرے اس کی تصدیق کر دی جائے آپ اس کی بات کو سچ نہ سمجھئے وہ مامونہ نہیں ہے۔

قال ابن المبارك فلم ادر ممن اعجب من هذا الذي وضع يده في دماء المسلمين واموالهم يتحرج عن حرمة ابيه او من هذه الامة التي رغبت بنفسها عن امير المومنين او من هذا فقيه الارض وقاضيها قال اهتك حرمة ابيك واقض شهوتك وصيّره في رقبتي

ابن مبارک کہتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تعجب کروں اس پر جس نے مسلمانوں کے خون اور ان کے مال میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اپنے باپ کی حرمت ضائع کر دی یا اس کنیز پر تعجب کروں جس نے بادشاہ سے اعراض کیا یا اس فقیہ ملک اور اس کے قاضی پر جس نے کہا کہ اپنے باپ کی حرمت ضائع کرو اور اپنی شہوت پوری کرو وبال میری گردن پر

عن عبد الله بن يوسف قال قال الرشيد لابي يوسف اني اشتريت جارية واريد ان

عبد اللہ بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ ہارون الرشید نے ابو یوسف سے کہا کہ میں نے ایک لونڈی خریدی ہے اور

الطاء ها الان قبل الاستبراء فهل عندك حيلة قال نعم تهبها لبعض ولدك ثم تزوجها

اس پر آج ہی تصرف کرنا چاہتا ہوں استبراء سے پہلے تمہارے پاس کوئی ترکیب ہے انھوں نے کہا ہاں اپنے کسی لڑکے کو ہبہ کر دیجئے اس کے بعد اس سے نکاح کر لیجئے۔

عن اسحٰق بن راھویہ قال دعا الرشید ابا یوسف لیلاً فافتاہ فامرلہ بمائۃ الف درھم فقال ابو یوسف ان رای امیر المومنین امر بتعجیلھا قبل الصبح فقال عجلوھا فقال بعض من عندہ ان الخازن فی بیتہ و الابواب مغلقۃ فقال ابو یوسف فقد کانت الابواب مغلقۃ حین دعانی ففتحت

اسحٰق بن راہویہ سے روایت ہے کہ ایک رات کو رشید نے ابو یوسف کو بلایا اور اس سے فتویٰ لیا اور ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ ابو یوسف نے کہا کہ صبح سے پہلے امیر المومنین حکم دیں کہ یہ رقم مل جائے رشید نے تعمیل کا حکم دیا حاضرین میں سے کسی نے کہا خزانچی گھر میں ہے اور دروازے بند ہیں۔ ابو یوسف نے کہا پہلے دروازے بند تھے جب مجھے بلایا تو کھل گئے۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

تاریخوں میں یہ بھی موجود ہے کہ قاضی شریک نے جو اپنے زمانہ کے بڑے مقدس بزرگ اور فقیہ تھے قاضی ابو یوسف کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی دیانت کا ان کی مالی حالت سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے علامہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں :-

قاضی ابو یوسف کو مالی منافع کیا حاصل ہوئے اگر ان کا حساب کیا جائے تو لاکھوں لاکھ سے وہ متجاوز ہوں گے شاید

(ضیاء برقی پریس آر ، ایم باغ کراچی)

کوئی حصہ گذرتا ہوگا جس میں خلیفہ کی طرف سے یا خلیفہ کے اعزہ و اقربا اور بیگموں کے پاس سے قاضی صاحب کے پاس بڑی بڑی رقمیں انعام میں نہ آتی تھیں علاوہ رقوم کے قیمتی سامان طرح طرح کے ظروف اور تحفے ہدایا جن کا ذکر مورخین نے کیا ہے۔ ابھی پوری تحقیق سے نہیں کہہ سکتا لیکن ابن المبارک کے حوالہ سے عام کتابوں میں ان کی تنخواہ بتائی گئی ہے کہ طلائی سکہ سو

اور نقرئی سکہ بارہ ہزار ماہوار ملتے تھے

عطایا اور انعام کے مقابلہ میں اس تنخواہ کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ہارون نے جب کبھی انعام دیا ہے تو ایک لاکھ

دو لاکھ درہم۔ دس ہزار سے کم تو شاید کبھی نہیں دیا ہو

جب قاضی ابو یوسف ہارون کے سامنے تنہا تو عادتاً اس مصرع کو ضرور پڑھتا۔

جاءت بہ معتجز ابردہ عمامہ باندھے اور چادر اوڑھے میرے سامنے آیا

قاضی صاحب کے اصطبل میں ایک وقت میں سات سات سو خچر اور تین تین سو گھوڑے رہتے تھے ۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی حاشیہ

اس عطاء انعام سے ظاہر ہے کہ یہ دل خوش کرنے کی قیمت تھی قاضی صاحب کوئی شاعر مغنی مصاحب اور مسخرے تو معاذ اللہ نہیں تھے جو بیگموں اور بادشاہ کا دل خوش کر کے انعام حاصل کرتے تھے ظاہر ہے کہ ایک قاضی کو انعام اس کے انصاف کو مول لینے کی قیمت ہی ہو سکتا ہے اور لوگوں کا ان کے عمامے اور عبا پر مضحکہ اڑانا اور کہنا آیا عمامہ باندھے اور عبا اوڑھے ان کی اصلی صورت کا آئینہ ہے

والسلام

سید محمد مرتضیٰ نقوی اجتہادی